Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ.............. 25 روپے
سالانہ.............. 300 روپے

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

قانونی مشیر
الحاج غلام علی فاروق
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہو جانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ و چمڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ .... دین میں رائے زنی کرنے کا خطرناک مرض............مفتی محمد رضوان ۳

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۱۹، آیت نمبر۲۳،۲۴)... نبوت ورسالت کا اثبات.....مفتی محمد رضوان ۶

درسِ حدیث .... مساجد اوران کی صفائی وستھرائی کا اہتمام..................مفتی محمد یونس ۱۲

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

ماہِ ربیعُ الاٰخر..مفتی محمد رضوان ۱۷

ماہِ ربیع الثانی: دوسری صدی ہجری کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں.....طارق محمود صاحب/سعید افضل صاحب ۱۹

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۱)..............ترتیب: مفتی محمد رضوان ۲۳

تقلید کی حقیقت..عبدالواحد قیصرانی ۲۹

حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود (قسط۱۲)..............................مولانا محمد امجد حسین ۳۳

صحابیٔ رسول حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ.............................انیس احمد حنیف صاحب ۳۷

آدابِ تجارت (قسط۱۲)..مفتی منظور احمد صاحب ۳۹

درود شریف پڑھنے کی فضیلت..مولوی محمد ناصر ۴۳

ٹیلی فون اور موبائل فون استعمال کرنے کے آداب (قسط۱)......................مفتی محمد رضوان ۴۸

بزرگی کے انتخاب اور معیار میں غلطیاں..................................// // ۵۱

عالم کے لئے مروجہ سیاست دانی ضروری نہیں (تعلیماتِ حکیم الامت کی روشنی میں)............// // ۵۷

علم کے مینار.......... ہرچہ گیرد علّتی ...... (قسط۵)..............محمد امجد حسین صاحب ۶۰

تذکرۂ اولیاء:.. تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط۱).........مولانا محمد امجد حسین ۶۴

پیارے بچو! .... پرانے اور آج کے کھیل (قسط۱)..........................مفتی ابوریحان ۶۷

بزمِ خواتین ...... حضور علیہ السلام کے خواتین سے چند اہم خطاب (قسط۱)...مفتی محمد رضوان ۷۱

آپ کے دینی مسائل کا حل.. منت اور غیر منت کے بکرے کے صدقہ وذبح کی تحقیق.....ادارہ ۷۶

کیا آپ جانتے ھیں؟......... بیل گاڑی سے ریل گاڑی تک (قسط۴).....محمد امجد حسین صاحب ۸۹

عبرت کدہ ...... ہندوستان کا اسلامی عہد (قسط۱۲).........................محمد امجد حسین صاحب ۹۲

طب وصحت.......... تربوز (watermelon)........................حکیم محمد فیضان صاحب ۹۵

اخبارِ ادارہ .... ادارہ کے شب وروز.........................مولانا محمد امجد حسین ۹۸

اخبارِ عالم .... قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں..........................ابرار حسین ستی ۹۹

Some Commercial Rulings for Jewellery............................ // // ۱۰۰

Idara Ghufran

اداریہ　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　مفتی محمد رضوان

دین میں رائے زنی کرنے کا خطرناک مرض

آج کل لوگوں میں یہ مرض عام ہوگیا ہے اور کثرت سے دیکھنے وسننے میں آرہا ہے کہ بغیر علم وتحقیق کے دین کے بارے میں ہر عام وخاص کی طرف سے بحث ومباحثہ اور خیال آرائیوں کا بازار گرم ہے، خواہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ ہو، یا نماز وروزہ کا مسئلہ، اور خواہ کوئی حلال وحرام کا معاملہ ہو یا اخلاق ومعاشرت کا موضوع ہو، جو مسئلہ بھی کسی محفل ومجلس میں زیرِ بحث آتا ہے ہر عامی وجاہل اس میں بڑی دلیری کے ساتھ دلچسپی لیتا اور اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور کسی نہ کسی حیثیت سے اس میں اپنے منگھڑت اجتہاد کا حصہ شامل کرنے کا متمنی اور متلاشی نظر آتا ہے، بعض اوقات دین کے بارے میں بحث ومباحثہ اور گفت وشنید کا یہ سلسلہ اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ کہ ہر شخص دین کے مسئلہ پر حاشیہ پر حاشیہ چڑھاتا جاتا ہے، یہاں تک کہ دین کے اس مسئلہ کی وہ گت بنادی جاتی ہے کہ ''الامان الحفیظ''

اور لوگوں کی یہ جرأت زیادہ تر دین کے بارے میں ہی بروئے کار اور سامنے آتی ہے۔ دنیا کے علوم وفنون میں اس طرح کی جرأت کرنے کی ہر کس وناکس کو ہمت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ڈاکٹری یا انجینئرنگ کے شعبہ میں کسی ناواقف شخص کو زبان درازی کی ہمت نہیں ہوتی، مگر دین کا معاملہ اتنا سستا اور ہلکا سمجھ لیا گیا ہے کہ نہ اس کے لئے علم کی ضرورت سمجھی جاتی اور نہ کسی ماہر عالم کی رہنمائی کی، ڈاکٹر سے کے کر موچی تک اس میں دیدہ دلیری اور سینہ زوری سے کام لے رہا ہے۔ حالانکہ دین کے بارے میں بغیر علم کے بحث ومباحثہ اور اظہارِ خیال کرنا سخت گناہ ہے اور بعض اوقات اس طرح بحث ومباحثہ کرنے سے ایمان کے چلے جانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔ دین کا معاملہ دنیا کے مقابلے میں بہت نازک ہے اگر دنیا کے کسی معاملہ میں غلط رائے بھی قائم ہوجائے اور کوئی غلط تبصرہ بھی ہوجائے تو اس کا اتنا نقصان نہیں، جتنا دین کے معاملہ میں رائے زنی کرنے کا نقصان ہے۔ کیونکہ دنیا کا معاملہ تو زیادہ تر دنیا ہی میں ختم ہوجاتا ہے، مگر دین کا معاملہ دنیا میں ختم نہیں ہوتا بلکہ آخرت تک جاری رہنے والا ہے۔ بلاتحقیق دین میں رائے زنی کا مرض عام ہوجانے کے نتیجہ میں آج ہر شخص مجتہد بنا بیٹھا ہے، اور دین کے احکام کا اس طرح آپریشن کرنے میں

لگا ہوا ہے، جیسا کہ اس سے بڑا صاحبِ علم کوئی دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ایک حدیث میں حضورﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ستر سے زیادہ فرقے ہوجائیں گے، اُن فرقوں میں سب سے بڑے فتین میری امت پر وہ لوگ ہونگے جو دینی معاملات میں رائے زنی اور قیاس آرائی سے کام لیں گے اور وہ حرام کو حلال قرار دیں گے اور حلال کو حرام قرار دیں گے (طبرانی کبیر و بزار و رجالہٗ رجال الصحیح مجمع الزوائد ج ا حدیث نمبر ۸۴۱)

ذرائع ابلاغ پر نااہل نئے مجتہدین کی آمد

یہ صورتحال عوام الناس کی عام مجلسوں اور محفلوں کے علاوہ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے ذریعے سے بھی کھلے طور پر سامنے آرہی ہے، چنانچہ آج کل ذرائع ابلاغ پر جو دین کے بارے میں پروگرام نشر کئے جارہے ہیں ان میں تو دین کا وہ مذاق بنایا جاتا ہے کہ ایمان کا سلامت رہنا ہی مشکل ہوجاتا ہے، ہمارے ذرائع ابلاغ پر دین کے عنوان سے نشر ہونے والے دین کے پروگراموں کا ظاہر اتنا جاذبِ نظر اور پرکشش ہوتا ہے کہ اچھے اچھے دیندار لوگ بھی اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں، اور دین کے عنوان سے چکنی چوپڑی اور نفس کی من پسند باتیں پیش کرنے والے ان مداریوں کے عقیدت مند ہو کر اپنے دین وایمان کی سودے بازی کر بیٹھتے ہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اس قسم کے پروگرام ہمارے ہاں ملکی سطح پر کھلے عام نشر کئے جارہے ہیں۔ اور لوگ ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے اور ان میں دلچسپی لے رہے ہیں۔
حالانکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ بےخبری میں کس موقع پر ان کے عقیدہ میں بگاڑ پیدا ہوگیا ہے، کس موقع پر ان کے ایمان میں دراڑ پڑ گئی ہے، اور کتنے غلط مسائل کانوں میں پڑنے کی وجہ سے ان کی وضو، نماز، روزے اور دوسرے دین کے اہم احکام میں خلل واقع ہوگیا ہے، کتنے لوگوں کے نکاح متاثر ہوگئے ہیں اور کتنے لوگوں کی آمدنی میں حرام و ناجائز کا عنصر شامل ہوگیا ہے، ظاہر ہے کہ جب نااہل لوگ دین کے ذمہ دار اور قوم کے رہنما و رہبر بن جائیں گے اور ہر کس و ناکس دین میں رائے زنی کرے گا تو گفت و شنید کرنے والے دونوں فریق اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کے ہی مصداق بنیں گے:

لَا تَتَّبِعُوٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (سورہ مائدہ آیت ۷۷)

”کہ تم ان لوگوں کے خیالات کا اتباع نہ کرو کہ جو لوگ تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی انہوں نے گمراہ کر رکھا تھا، یہ لوگ دراصل سیدھے راستہ سے ہٹ گئے“

اس لئے دین کے بارے میں اپنے بے باکانہ طرزِ عمل کی اصلاح کرنا چاہئے اور بغیر علم وتحقیق دین کے بارے میں ہرگز رائے زنی اور بحث ومباحثہ اور اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرنا چاہئے اور ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرنا چاہئے: ''فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ''

''اگر تمہیں کسی چیز کا صحیح علم نہ ہو تو اہلِ علم سے سوال کرو''

اسی کے ساتھ ہمیں دین کے نام پر سامنے آنے والے راہزنوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، اور میڈیا پر آنے والے ان نااہل لوگوں پر ہرگز اطمینان نہیں کرنا چاہئے، اور ان کی چکنی چپڑی باتوں سے ہرگز متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا معاملہ درستگی اور سلامتی کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ اُن میں کچھ نئے لوگ پیدا ہوگئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کے معاشرہ میں ہی پرورش پائی، مگر یہ لوگ درحقیقت بنی اسرائیل میں سے نہ تھے اور یہ لوگ بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری قوموں کے قیدیوں کی اولاد میں سے تھے جنہیں بنی اسرائیل نے قیدی بنایا تھا، ان لوگوں نے دین میں رائے زنی شروع کردی اور خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کی بھی گمراہی کا باعث بنے (اور اس امت میں بھی اسی طرح ہوگا) (ابنِ ماجہ، طبرانی کبیر عن ابنِ عمر، الجامع الصغیر ج ۵ حدیث نمبر ۷۳۶۲)

چنانچہ اس وقت بہت سے لوگ اپنے خیالات وتصورات اور اوہام کو نفس کی پیروی کی خاطر دین کا رنگ دے کر اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بن رہے ہیں، یہ لوگ بظاہر تو مسلمانوں کو اپنے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی سوچ اور فکر کا سارا محور مغربی افکار کے اردگرد گھومتا ہے۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''آخری زمانہ میں بڑے بڑے مکار اور جھوٹے لوگ پیدا ہونگے، جو تمہیں وہ باتیں سنائیں گے، جو نہ تم نے اور نہ تمہارے آباء واجداد نے سنی ہوں گی، تم ان سے بچنا اور انہیں اپنے سے بچانا، وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں'' (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایسے لوگ پیدا ہونگے جو جھوٹی جھوٹی باتیں کریں گے، اور نئے نئے احکام جاری کریں گے اور غلط عقیدے ایجاد کریں گے (مرقاۃ)

حضور ﷺ کی اس پیش گوئی کا مشاہدہ آج میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر دین کے نام سے پیش کئے جانے والے پروگراموں پر ہو رہا ہے۔

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط ۱۹، آیت نمبر ۲۳، ۲۴) مفتی محمد رضوان

نبوت و رسالت کا اثبات

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: ’’اور اگر تم لوگ شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے نازل کیا اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) پر (کہ یہ اللہ کا کلام ہے) تو لے آؤ ایک سورت اس (کلام) جیسی اور بلالو اپنے حمائتیوں کو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو ۞ پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکو اور ہرگز (قیامت تک) بھی نہ کرسکو گے، تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہوئی ہے کافروں کے لئے ۞

تفسیر وتشریح

اس سے پہلی دو آیتوں میں توحیدِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا گیا تھا، اور ان دو آیات میں رسالتِ محمدی ﷺ کو ثابت کیا گیا ہے۔

قرآن مجید نے بندوں کو جس ہدایت کی طرف دعوت دی ہے اس کے دو ستون یا دو قسم ہیں:

(۱) توحید (۲) رسالت

اس سے پہلی دو آیات میں مضبوط دلائل کے ساتھ پہلے ستون یعنی توحید کو ثابت کیا گیا تھا اور شرک کو باطل کیا گیا تھا، اب ان دو آیات میں دوسرے ستون یعنی نبوت ورسالت کو ایک مضبوط دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے اور وہ مضبوط دلیل ایک اہم معجزہ ہے یعنی آپ ﷺ کو کلامِ الٰہی عطا کیا جانا۔ آپ ﷺ کو جو معجزات عطا فرمائے گئے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل معجزہ ’’کلامُ اللہ‘‘ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

’’**وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا** ‘‘اگرتم لوگ شک میں ہواس کلام کے بارے میں جو ہم نے نازل کیا اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) پر‘‘۔

حضور ﷺ کے لئے یہاں ’’**عبد**‘‘ کا لفظ استعمال فرما کر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے، یعنی فرمایا ’’**علیٰ عبدنا**‘‘ ’’اپنے خاص بندے پر‘‘ اس سے ایک تو حضور ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تعظیم وتکریم کی طرف اشارہ ہوگیا، دوسرے حضور ﷺ کی عبدیت کی شان بھی ظاہر ہوگئی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نہایت مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

سورہ بقرہ کے شروع میں قرآن مجید کے متعلق فرمایا تھا ’’**لاریب فیہ**‘‘ کہ اس کتاب میں کسی شک کی گنجائش نہیں، وہاں تو اس کلام میں شک کی گنجائش ہونے کی نفی کی گئی تھی اور یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم لوگ اس کلام کے بارے میں شک میں ہو، اس سے کلام اللہ میں شک کی گنجائش ہونے کا شبہ ہوتا ہے، اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن مجید اپنے واضح اور معجزانہ دلائل کی وجہ سے کسی شک وتردد کی گنجائش نہیں رکھتا، لیکن اپنی ناواقفیت یا کج فہمی کی وجہ سے اگر پھر بھی تمہیں اس کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے میں شک ہوتو پھر سن لو:

’’**فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِه**‘‘ ’’تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی‘‘۔

سورۃ کے معنیٰ اور تحقیق: سورۃ کے معنیٰ محدود حصہ اور ٹکڑے کے ہیں، اور قرآن مجید کی سورت قرآن کے اس خاص حصہ اور ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جو وحی کے ذریعہ سے ممتاز اور علیحدہ کر کے رکھا گیا ہے۔

پورے قرآن مجید میں چھوٹی بڑی سورتیں ملا کر کل ایک سو چودہ (۱۱۴) ہیں۔

یہاں لفظِ ’’**سورۃ**‘‘ لایا گیا ہے ’’**السورۃ**‘‘ الف لام کے ساتھ نہیں لایا گیا، عربی قاعدہ کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس چیلنج میں شامل ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن کے اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے میں کوئی تردد اور شک ہے اور تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ کلام حضرت محمد ﷺ یا کسی دوسرے انسان نے خود بنالیا ہے، تو اس کا فیصلہ بڑی آسانی سے اس طرح ہوسکتا ہے کہ تم بھی اس قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال بنالاؤ۔

اگر تم اس کی مثال بنانے میں کامیاب ہوگئے تو بے شک تمہیں حق ہوگا کہ اس کو بھی کسی انسان کا کلام قرار دو، اور اگر تم اس چیز سے عاجز و بے بس ہوگئے تو سمجھ لو کہ یہ انسانی طاقت سے بالاتر اور خالص اللہ

تعالیٰ کا کلام ہے (معارف القرآن عثمانی بتغیر)

اور آگے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم تنہا اس کلام کے لانے پر قدرت نہیں رکھتے تو اس کا حل یہ ہے کہ:

''**وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ** ''یعنی بلا لو اپنے مددگاروں کو جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہیں''

''**شُهَدَاءَ**'' شاہد کی جمع ہے جس کے معنیٰ حاضر کے آتے ہیں، گواہ کو بھی شاہد اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ حاضر ہوتا ہے۔ اس جگہ شہداء یعنی حمایتی اور مددگاروں سے مراد یا تو عام حاضرین ہیں کہ سارے جہان میں تم جس جس سے بھی اس کام میں مدد لینا چاہو لے سکتے ہو، یا پھر مراد ان مشرکین کے بت ہیں جن کے بارے میں مشرکوں کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ کئی طاقتوں کے مالک ہیں اور قیامت کے دن ہمارے گواہ بنیں گے (معارف القرآن عثمانی وادریسی بتغیر)

پھر آگے فرمایا:

''**فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا** ''یعنی اگر تم سب مل کر یہ کام نہ کرسکو اور قرآن کے مثل اور اس جیسی کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی نہ لاسکو اور تم کتنا ہی انفرادی واجتماعی طور پر زور لگالو، تمہاری مجال نہیں کہ ایسا کرسکو گے، تو پھر تمہیں اس کلام کو برحق سمجھتے ہوئے حضور ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرنی چاہئے، اور اس کا انکار کرنے کی صورت میں اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، جس کے بارے میں فرمایا:

''**فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ** ''یعنی پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

ان پتھروں میں وہ پتھر بھی شامل ہیں جن کی مشرکین پوجا پاٹ کرتے ہیں (معارف القرآن عثمانی وادریسی بتغیر)

اس کے بعد فرمایا:

''**اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ**'' یعنی دوزخ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ اصل میں تو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، البتہ گناہ گار مسلمانوں کو گناہوں کا میل کچیل صاف کرنے کے لئے چندروز کے واسطے جہنم میں رکھا جائے گا، کافر کیونکہ اپنے کفر کی وجہ سے اس قابل نہ ہونگے کہ ان کا میل کچیل دور ہوجائے، اس لئے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

جنت اور دوزخ پیدا کی جاچکی ہے

اللہ تعالیٰ نے یہاں دوزخ کے بارے میں فرمایا ''**اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ**'' کہ دوزخ کی آگ کافروں کے

لئے تیار کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ پیدا کی جا چکی ہے، قرآن مجید کی دوسری آیات سے یہی بات جنت کے بارے میں معلوم ہوتی ہے کہ وہ بھی پیدا کی جا چکی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جنت اور دوزخ ابھی پیدا نہیں کی گئی بلکہ قیامت کے دن پیدا کی جائے گی وہ واضح غلطی پر ہیں اور ان کا یہ عقیدہ بالکل باطل ہے (معارف القرآن ادریسی بتغیر)

قرآن تا قیامت زندہ نمونہ ہے

اس پر غور کرنا چاہئے کہ جو قوم اسلام اور قرآن کی مخالفت اور اس کو گرانے، مٹانے کے لئے اپنی جان، مال آبرو، اولاد سب کچھ قربان کرنے پر تُلی ہوئی تھی، اس کو یہ آسان موقع دیا گیا کہ اس کلام کی طرح کی چھوٹی سے چھوٹی سورت بنا لاؤ، اور پھر اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے کھلا ہوا چیلنج پیش کیا گیا کہ کوئی بھی اس جیسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت نہیں لا سکے گا۔

یہ دعویٰ اور چیلنج آج بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا، اور کوئی اس پر نہ پورا اتر سکا ہے اور نہ پورا اتر سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا کلام حضور ﷺ کا زندہ نمونہ ہے جو قیامت تک قائم ودائم اور باقی رہنے والا ہے۔ اور یہ معجزہ حضور ﷺ کے وصالِ مبارک کے بعد بھی اسی طریقہ سے زندہ ہے جس طرح آپ ﷺ کی دنیوی حیات میں تھا (معارف القرآن عثمانی وادریسی بتغیر)

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی تشریح وتفصیل

اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید کس وجہ سے حضور ﷺ کا معجزہ ہے، اور اس کا معجزہ ہونا کس کس اعتبار سے ہے اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

اس سلسلہ میں چند اصولی باتیں ہیں، جو اگرچہ بہت تفصیل طلب ہیں، لیکن یہاں مختصر طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)...... یہ کلام ایسے ماحول اور علاقہ میں نازل ہوا، جہاں نہ علمی سامان تھے، نہ کوئی یونیورسٹی تھی، غرضیکہ نہ وہاں تعلیم وتعلم کا کوئی سامان تھا، اور نہ وہاں کے لوگوں کو ان چیزوں سے لگاؤ تھا، جو لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے تھے وہ تجارت پیشہ تھے اور عام بستیوں کے لوگ اونٹ بکریاں چرا کر اور پال کر اپنا گزر بسر کرتے تھے، پھر جس ہستی پر یہ کلام نازل ہوا، اس نے کسی مکتب ومدرسہ میں داخل ہو کر ابتدائی علم تک

حاصل نہیں کیا، اور چالیس سال کی عمر امی ہونے کی حالت میں گزرگئی، ایک ایسے ماحول میں، ایسے علاقہ اور ایسی ہستی کی طرف سے پوری دنیا کو چیلنج کرنا، اس کلام کے معجزہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۲)......قرآن اور اس کے احکام ساری دنیا کے لئے آئے لیکن اس کا سب سے پہلا چیلنج ان لوگوں کو کیا گیا جو فصاحت و بلاغت میں دنیا میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، اگر یہ کلام بشری اور انسانی طاقتوں سے باہر نہ ہوتا تو عرب کی غیور اور فصیح و بلیغ قوم کو اس چیلنج پر ضرور غیرت آتی، مگر ان کی خاموشی اور عاجزی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۳)......قرآن مجید نے آئندہ پیش آنے والے واقعات اور بہت سی غیب کی خبروں کی پیشین گوئی کی اور وہ واقعات ہو بہو اسی طرح پیش آئے، جس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۴)......قرآن مجید نے پچھلی امتوں اور ان کی شریعت اور تاریخی باتوں اور حالتوں کا ایسا صاف صاف تذکرہ کیا، جس کا علم اُس وقت کے دوسرے مذہب سے تعلق رکھنے والے بڑے بڑے علماء کو بھی نہ تھا، اور آج تک دوسرے مذاہب کے اصل حقائق اس کلام کے ذریعے واضح ہورہے ہیں، یہ بھی قرآن مجید کے زندہ معجزہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(۵)......اس کلام نے لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی خفیہ اور پوشیدہ باتوں کی اطلاع دی اور بعد میں ان لوگوں کے اقرار یا دوسرے طریقہ سے اس اطلاع کا بالکل سچا اور حقیقت کے مطابق ثابت ہوگیا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام عالم الغیب والشہادۃ کا کلام ہے، بندوں کا کلام نہیں۔ یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۶)......قرآن مجید نے کئی قوموں یا افراد کے بارے میں یہ پیشین گوئی کہ وہ فلاں کام نہ کرسکیں گے، اس کے بعد ظاہری حالات کے سازگار اور قدرت کے ہوتے ہوئے وہ کام کرنے سے عاجز رہے، یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۷)......قرآن مجید کے بغیر سمجھے پڑھنے اور سننے سے ہر عام وخاص پر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے، جو کسی اور کتاب کے پڑھنے اور سننے سے طاری نہیں ہوتی، یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۸)......اس کلام کی شان یہ ہے کہ اس کے بار بار پڑھنے اور سننے سے اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی، بلکہ

جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اسی قدر اس کا شوق بڑھتا رہتا ہے، دنیا کی کسی مرغوب سے مرغوب اور بہترین سے بہترین چیز میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ اور اللہ کا کلام ہونے کی دلیل ہے۔

(۹)......اس کلام کے بارے میں یہ وعدہ اسی کلام میں موجود ہے کہ اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اور یہ کلام تا قیامت کسی ترمیم کے بغیر باقی رہے گا، یہ وعدہ بھی اس کلام کے نازل ہونے سے لے کر اب تک ثابت ہے اور تا قیامت ثابت رہے گا، یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۰)......اس کتاب کی جتنی اشاعت ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے، یہ شان دنیا کی اور کسی کتاب کو حاصل نہیں، اس کتاب کو اتنی مقبولیت اور اتنے عظیم شرف کا حاصل ہونا بھی اس کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۱)......قرآن مجید کے نازل ہونے سے لے کر اب تک ہر زمانے میں اس کے بچے، بڑے، عورت اور مرد حافظ ہوتے آئے ہیں، دنیا کی کسی اور کتاب کو یہ مقام حاصل نہیں، یہ بھی قرآن مجید کے زندہ معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۲)...... یہ کتاب اتنے علوم ومعارف کا خزینہ ہے کہ جن کا پوری طرح احاطہ آج تک نہ کوئی کرسکا ہے اور نہ کرسکے گا، اور سارے علوم ومعارف کا مجموعہ اس میں موجود ہے، ہر زمانہ کے اعتبار سے اس میں سے علوم معارف کے چشمے اور دریا نکلتے رہتے ہیں، یہ بھی قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی مستقل دلیل ہے۔

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی تفصیلات کا احاطہ اس مختصر مضمون میں دشوار ہے، اس موضوع پر علمائے امت نے مستقل کتابیں ہر زمانے میں تحریر فرمائی ہیں (ماخوذ از معارف القرآن عثمانی، ج ا ص ۱۴۳ تا ۱۵۹ بتغیر وتلخیص وباضافہ)

آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں

صفحات 202

تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

حضور ﷺ کے پسندیدہ کھانے، محبوب غذا، سالن وروٹی، پسندیدہ پھل، مرغوب مشروبات، کھانے پینے کے مسنون طریقے وآداب، دسترخوان، پیالے، ضیافت ومہمان نوازی، بعض معجزات، کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ دھونے، آغاز میں بسم اللہ، اختتام میں دعا اور کلماتِ طیبات پر مشتمل شمائل ترمذی کی ۱۷۷ احادیث کی سلیس، جامع اور دلنشین تشریح وتوضیح

ناشر: القاسم اکیڈیمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان ☎ 0923-630237

درسِ حدیث

مفتی محمد یونس

احادیث مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

مساجد اوران کی صفائی وستھرائی کا اہتمام

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِبِنَآءِ الْمَسْجِدِ فِی الدُّوْرِوَاَنْ یُّنَظَّفَ وَیُطَیَّبَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد وَالتِّرْمِذِیُ وَابْنُ مَاجَةَ(مشکوٰۃ ص ٦٩)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے محلوں میں مسجد بنانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ اس (یعنی مسجد کو) پاک صاف رکھا جائے اور (اس کو) خوشبودار رکھا جائے (ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ از مشکوٰۃ ص٦٩)

تشریح: اس حدیث شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تین امور کا ذکر فرمایا ہے:

’’**(۱)**......محلوں میں مساجد بنانے کا **(۲)**......مساجد کو صاف ستھرا رکھنے کا **(۳)**......مساجد کو معطر وخوشبودار رکھنے کا۔

جہاں تک مساجد بنانے کا تعلق ہے تو اس کا ضروری ہونا کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے اس لئے کہ مساجد تعمیر ہونے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ اہلِ علاقہ کو یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا نصیب ہوتا ہے بلکہ تعمیرِ مسجد کی وجہ سے اہلِ محلّہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول بھی ہوتا ہے نیز ایک اسلامی شعار کے اجاگر ونمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ علاقہ میں بسنے والے مسلمانوں کی دینی ومذہبی حمیت اور قومی وملی بیداری کا بھی ذریعہ ہوتا ہے، نیز اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جب ہر محلّہ میں مسجد تعمیر ہوگی تو ہر جگہ مسلمانوں کو بآسانی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی سنت پر عمل نصیب ہوگا، لیکن یہ بات ملحوظ رکھنی انتہائی ضروری ہے کہ مسجدوں کو محض تعمیر کردینا اور بنادینا ہی دینی ومذہبی بیداری اور ایمانی حرارت کا ثبوت نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مسجد میں باقاعدہ اذان وجماعت کا اہتمام وانتظام کرکے آباد رکھا جائے، اس لئے کہ ایمان کا اصلی تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ مسجد کی عمارت کھڑی کردی جائے، عمدہ فرش

اور بہترین چھت ڈال دیا جائے پانی وبجلی کا انتظام کر دیا جائے، بلکہ زیادہ ضروری مساجد کی معنوی اور حقیقی آبادی ہے جو کہ مسجد میں عبادت (نماز، اعتکاف، تلاوت وذکر، دعا وغیرہ) کرنے سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَاللہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّااللہ (سورۃ التوبۃ)

ترجمہ: ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں۔

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ:

''مسجد بنانا، اور اس کا نظم ونسق سنبھالنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آبادکاری میں داخل ہے، لیکن مسجد کی آبادکاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ کہ مساجد کو نمازوں سے ذکر سے تلاوت سے تعلیمی حلقوں سے تدریس قرآن سے آباد رکھا جائے، کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی امور کے لئے ہے۔

جیسے اعمالِ صالحہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں سے پرہیز کرنے کی سخت ضرورت ہے جو مسجد میں کرنا منع ہیں کیونکہ ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آبادکاری کے خلاف ہے مثلاً مسجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے پسندیدہ نہ ہو یا واضح طور پر شریعت کے خلاف مضامین پر مشتمل ہوں، خرید وفروخت کرنا اور بدبودار چیزیں کھا پی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بدبو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا، مساجد میں تھوک، بلغم ڈالنا، گمشدہ چیز تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں (انوار البیان ج۲ ص ۲۴۱)

اس لئے جہاں مسجد بنانے کی ضرورت ہو وہاں مسجد بنائی بھی جائے اور تعمیر شدہ مساجد کو عبادتِ خداوندی سے آباد بھی کیا جائے۔

جو حدیث شریف شروع میں ذکر کی گئی اس حدیث شریف کے پہلے جملے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم دیا ہے یعنی گھر کے کسی حصے کو خالصۃً نماز اور ذکر کے لئے مخصوص

کرلیا جائے، جس کو مسجد البیت (گھر کی مسجد) بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ''دُوْر'' کا لفظ ہے جو ''دار'' کی جمع ہے اور دار کا معنیٰ جس طرح محلے کے آتے ہیں اسی طرح گھر کے بھی آتے ہیں، لیکن یہ مسجد البیت (گھر کی مسجد) تمام احکام میں عام مساجد کی طرح نہیں ہوتی، بلکہ اکثر احکام میں اس کا حکم دیگر عام مساجد سے مختلف ہے چنانچہ جس محلّہ یا آبادی میں مسجد نہ ہو وہاں مسجد بنانے کی اہمیت وضرورت زیادہ ہے جبکہ مسجد البیت بنانے کی اہمیت وضرورت اس درجے کی نہیں، چنانچہ اس کا بنانا فرض واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے، اسی طرح مسجد کا وقف ہونا شرعاً ضروری ہے جبکہ مسجد البیت کا وقف ہونا ضروری نہیں، مسجد قیامت تک شرعاً ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے، جبکہ مسجد البیت کی یہ شان نہیں، مسجد میں حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں داخلہ ممنوع ہے جبکہ مسجد البیت میں جائز ہے، اسی طرح اور بھی کئی احکام میں یہ دونوں جگہیں مختلف ہیں، البتہ مذکورہ حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے مثلاً مسجد کو صاف ستھرا، پاکیزہ اور معطر رکھنا یہ حکم مسجد البیت (گھر کی مسجد) کے لئے بھی ہے، یعنی مسجد البیت کو بھی ممکنہ حد تک پاک صاف اور خوشبودار رکھا جائے، نیز گھر کی خواتین کو تمام نمازیں اور ذکر واذکار، تلاوت، دعا وغیرہ مسجد البیت ہی میں ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اسی طرح اعتکاف بھی خواتین کو اسی حصے میں بیٹھنا چاہئے۔

دوسری بات جس کا حدیث شریف میں حکم دیا گیا ہے وہ ہے مسجد کا صاف رکھنا، مسجد کو صاف رکھنا کئی وجوہ سے ضروری ہے، اولاً اس لئے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اور عبادت کی جگہ کا پاک صاف ہونا ضروری ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَعَهِدْنَآ اِلٰىٓ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ'' (سورۃ بقرۃ)

ترجمہ: ''اور ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے''

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ:

''اس آیت میں بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم ہے جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے اور باطنی نجاسات کفر وشرک اور اخلاقِ رذیلہ بغض وحسد، حرص وہوا، تکبر وغرور، ریاء ونمود سے پاکی بھی شامل ہے، اور اس حکمِ طہارت کے لئے لفظ بیتی میں اس

طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مساجد کے لئے عام ہے کیونکہ ساری مساجد بیوت اللہ (اللہ کے گھر) ہیں ۔خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح بیت اللہ کا تمام ظاہری اور باطنی نجاسات سے پاک رکھنا واجب ہے یعنی مساجد میں داخل ہونے والوں پر لازم ہے کہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بھی تمام نجاسات اور بدبو کی چیزوں سے پاک صاف رکھیں اور اپنے دلوں کو شرک ونفاق اور تمام اخلاقِ رذیلہ تکبر،حسد بغض ،حرص وریاء وغیرہ کی نجاست سے پاک کر کے داخل ہوں ،رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص پیاز ،لہسن وغیرہ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہ جائے اور چھوٹے بچوں اور دیوانوں کو مسجدوں میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے کہ ان سے نجاست کا خطرہ ہے'' (ملاحظہ ہو معارف القرآن ج ا ص ۳۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کو ہر طرح کی گندگی اور نجاست سے پاک صاف رکھنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے دوسرے اس لئے کہ بعض احادیث میں مسجد کو پاک صاف رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے ''میری امت کے (اعمال کے)ثواب میرے سامنے پیش کئے گئے ، یہاں تک کہ اس کوڑے اور خاک کا ثواب بھی (پیش کیا گیا) جسے کسی آدمی نے مسجد سے (جھاڑو دے کر) نکالا ہو (ترمذی،ابوداؤد)''معلوم ہوا کہ مسجد کی صفائی کرنا بھی بڑے ثواب کا کام ہے،لہٰذا مسجد کی صفائی کا اہتمام ہونا چاہئے اور مسجد کی صفائی کرنے والے (یعنی خادمِ مسجد) کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے ،تحقیر کی نگاہ سے نہیں۔

تیسرے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے خود بنفس نفیس مسجد کی صفائی فرما کر عملاً امت کو اس کا سبق دیا ہے کہ مسجد کی صفائی کا اہتمام رکھا جائے ، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے (مسجد میں) قبلہ کی طرف رینٹھ پڑا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ کو بہت ناگوار ہوا یہاں تک کہ اس ناگواری کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا چنانچہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور اسے خود اپنے دستِ مبارک سے کھرچ کر پھینکا...... (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کو ملوث دیکھنے سے سرکارِ دوعالم ﷺ کو بہت زیادہ ناگواری ہوئی ، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد میں گندگی نظر آئے تو دیکھنے والے کو چاہئے کہ وہ خود ہی جلد اس کو صاف کردے کسی اور کے صاف کردینے کے انتظار میں نہ رہے۔

چوتھے اس لئے کہ مسجد کو گندا کرنا گناہ ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ''میرے سامنے میری امت کے اچھے برے اعمال پیش کئے گئے میں نے اس کے نیک اعمال میں تو راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کر دینا پایا اور برے اعمال میں مسجد کے اندر تھوکنا دیکھا جس کو (کچی زمین ہونے کی صورت میں نیچے) دبایا نہ گیا ہو (مسلم ص ۴۹۹)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے ''مسجد میں تھوکنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس تھوک کو زمین میں دبا دیا جائے (بخاری، مسلم)

مقصود مسجد کی صفائی ہے لہٰذا اولاً تو مسجد کی حدود میں تھوکنے سے پرہیز کیا جائے اور کسی مجبوری میں تھوکنا پڑ جائے اور پختہ فرش ہو دبانا ممکن نہ ہو تو پانی بہا کر یا کسی اور طرح صفائی کر دی جائے۔

تیسری بات مذکورہ حدیث میں یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مسجد کو خوشبودار رکھا جائے، خوشبو فطری طور پر ہر فطرتِ سلیمہ رکھنے والے انسان کو اچھی لگتی ہے، اور خوشبودار جگہ جانے کی کشش ہر سلیم الفطرت انسان کے دل میں ہوتی ہے اس کے برعکس بدبو سے گھن آتی ہے، اور بدبودار جگہ میں جانے کو سلیم الفطرت شخص پسند نہیں کرتا، اس لئے مسجد کو خوشبودار رکھنے کا حکم ہے تاکہ لوگوں کو یہاں آنے کی کشش ہو اور مسجد میں ٹھہرنے کو جی چاہے اور بدبو وغیرہ سے گھِن اور کراہیت پیدا نہ ہو، نیز مسجد میں فرشتوں کا ہونا بھی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، تو مسجد کے خوشبودار ہونے سے ان کو بھی راحت ہوگی، مزید یہ کہ لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے فضا میں جو آلودگی سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتی ہے، خوشبو کی وجہ سے یہ احساس بھی کسی قدر خوشگوار ہو جائے گا، اس کے علاوہ اور بھی کئی فوائد غور و فکر کرنے سے سمجھ میں آ سکتے ہیں، اس لئے اگربتی عطر وغیرہ سے مسجد کو معطر رکھنا بھی ثواب کا کام ہے اس کا حدود میں رہتے ہوئے اہتمام ہونا چاہئے۔ واللہ الموفق

Idara Ghufran

مقالات ومضامین

مفتی محمد رضوان

♐ ماہِ ربیعُ الاٰخر

’’ربیعُ الاٰخر‘‘ یا ’’ربیعُ الثّانی‘‘ اسلامی وقمری لحاظ سے سال کا چوتھا مہینہ ہے، یہ مہینہ ’’ربیعُ الاول‘‘ اور ’’جُمادی الاولیٰ‘‘ کے درمیان واقع ہے۔ یہ مہینہ بھی دوسرے مہینوں کی طرح اللہ کی مخلوق ہے، اس مہینہ میں شریعت کا کوئی حکم کہ جس کا تعلق اس مہینے کے ساتھ خاص ہو شریعت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس مہینے میں بھی دوسرے عام مہینوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئے، حضور اکرم ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینؒ، محدثینؒ اور فقہائے کرام علیہم الرحمۃ سے معتبر سند کے ساتھ ربیع الثانی کے مہینے کے حوالہ سے کوئی خاص عمل ثابت نہیں۔

لیکن ہمارے یہاں میں ربیع الثانی کے مہینے میں بڑی گیارہویں کے نام سے ایک رسم انجام دی جانے لگی ہے یہ رسم ربیع الاول کے مہینے میں ۱۲ تاریخ کو حضور ﷺ کے نام کی میلاد کی رسم منا کر ٹھیک ایک مہینہ بعد ربیع الثانی کی ۱۲/۱۱ تاریخ کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے نام سے منائی جاتی ہے۔ اس رسم کا قرآن وحدیث اور فقہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ ہی خیرُ القرون میں اس کا کوئی وجود ملتا، اور مل بھی کیسے سکتا ہے، کیونکہ بڑی گیارہویں کی رسم کی نسبت تو گیارہویں منانے والے لوگ خود ہی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی طرف کرتے ہیں اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ پانچویں صدی میں پیدا ہوئے گویا کہ گیارہویں کی رسم منانے والے حضرات کے نزدیک بھی پانچ صدیوں تک اس رسم کا وجود نہیں تھا اور اس رسم کو حضور ﷺ اور خیر القرون کے بہت بعد میں وجود ملا ہے۔

بڑی گیارہویں جو کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی وفات کا ایک سال پورا ہونے پر ہر سال مختلف قسم کے کھانے تیار کرکے اور مختلف طرح کے ختم دے کر انجام دی جاتی ہے، دعوت کا سماں بنا کر امیر وغریب بلا امتیاز سب کو کھانے میں شریک کیا جاتا ہے۔ اس رسم کے لئے پہلے سے اہتمام کے ساتھ چندہ جمع کیا جاتا ہے اور پھر اس رسم کو انجام دے کر خیال کیا جاتا ہے کہ اس رسم کی بدولت ہماری مرادیں، حاجتیں اور تمنائیں پوری ہونگی، بلائیں اور مصیبتیں دور ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔

اولؔ تو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں دوسری ہستیوں کے ساتھ نفع ونقصان کے اختیار کا عقیدہ رکھنا ہی غلط اور ایمان

Idara Ghufran

کے لئے سخت خطرناک ہے۔ دوسرے اس رسم میں اور بھی شریعت کے خلاف کئی باتیں پائی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے یہ رسم ناجائز اور گناہ ہے اگر کوئی نیک نیتی کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ یا دوسری مقدس ہستیوں کی روح کو ایصالِ ثواب کرنا چاہے تو اس کے لئے ہر وقت راستے کھلے ہیں کسی بھی وقت اور کسی بھی دن ذکر و تلاوت کر کے، نفل نماز پڑھ کر، خاموشی سے صدقہ خیرات کر کے ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے، نہ اس میں ربیع الثانی کے مہینے یا اس کی ۱۲/۱۱ تاریخ کی قید ہے اور نہ ہی دیگیں پکانے کی پابندی۔
جو شخص کسی بھی وقت اخلاص اور خاموشی کے ساتھ کچھ پڑھ کر، صدقہ و خیرات کر کے یا کوئی بھی نیک عمل کر کے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح کو ایصالِ ثواب کر دے یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے درجات بلند ہونے کی دعا کر دے، اور زندگی بھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا اہتمام کرے لیکن گیارہویں کی رسم پوری نہ کرے تو ایسا شخص اس سے بہتر ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ کر صرف رسمی گیارہویں پر عمل پیرا ہے اور پہلا شخص یقیناً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے عقیدت و احترام رکھنے والوں میں سے ہے۔ غریبوں کی بے شمار ضروریات ہوتی ہیں مثلاً کپڑے، دوا، سفر کے اخراجات وغیرہ، اس لئے صدقۂ خیرات کے ذریعہ ایصالِ ثواب غریبوں کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے کرنا چاہئے، ہر صورت میں صرف کھانے کا انتخاب کرنا عقل مندی نہیں، اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ہی کو سمجھنا چاہئے۔ اور دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے کے بجائے شریعت کے مسلمہ اصولوں پر چل کر اپنے دین و دنیا کو درست کرنا چاہئے، اور آپس کے اختلافات اور تنازعات سے بچنا چاہئے، جس کا سبب دین میں اپنی طرف سے نئی نئی چیزیں داخل و شامل کر لینا ہے۔

Idara Ghufran

بسلسلہ : تاریخی معلومات طارق محمود صاحب/سعید افضل صاحب

ماہِ ربیع الثانی: دوسری صدی ہجری کی اجمالی تاریخ کے آئینے میں

□...... **ماہِ ربیع الثانی ۱۰۴ھ:** میں بانی تحریک عباسی ابوابراہیم محمد کے ہاں عبداللہ سفاح ابوالعباس پیدا ہوا، ابوابراہیم محمد نے بنوامیہ سے حکومت، بنوعباس میں منتقل کرنے کے لئے مستقل طور پر بہت مضبوط اور دوررس نتائج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے خفیہ طور پر ایک تحریک شروع کی تھی، ابھی چند سال ہی اس تحریک کو ہوئے تھے کہ ابوابراہیم کے ہاں عبداللہ سفاح پیدا ہوا، تو ابوابراہیم محمد اس نومولود کو اپنے ارکانِ تحریک کے مجمع میں لایا اور کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس پر تمہاری تحریک کی آزادی مکمل ہوگی، اور حکومت، بنوامیہ کے بجائے ہمارے خاندان بنوعباس میں منتقل ہوجائے گی، اور یہ نومولود پہلا شخص ہوگا جو بنوعباس کی طرف سے تم پر حکومت کرے گا، چنانچہ ہوا تو اسی طرح کہ ابوالعباس سفاح اپنے والد کی وفات کے بعد قائد مقرر ہوا اور کارکنانِ تحریک کی مدد سے ۲۶ سال کی عمر میں حکومتِ بنوامیہ کا مکمل طور پر خاتمہ کرکے بادشاہ کی حیثیت سے برسرِاقتدار رہا، مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ایسی پیشین گوئی کسی بزرگی اور امامت کی دلیل نہیں ہوا کرتی، بلکہ حالات اور قرب وجوار کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی لائن کا ماہر اور تجربہ کار جو رائے قائم کرتا ہے، غالب درجہ تک اس کی رائے اور بات اپنی لائن میں درست ہوتی ہے، بسا اوقات غلط بھی ہوجاتی ہیں جس کی مثالیں واضح ہیں (تاریخِ ملت ج ۱، تاریخِ اسلام اکبری ج ۱۲ الکامل ج ۴ ص ۳۶۳)

□...... **ماہِ ربیع الثانی ۱۰۵ھ:** میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رحمہا اللہ کا انتقال ہوا، یہ اخیر عمر میں مدینہ میں رہائش پذیر تھیں، مکہ اور مدینہ کے گورنر عبدالرحمٰن بن ضحاک نے ایک مرتبہ یہ ناپاک جسارت کی کہ حضرت فاطمہ رحمہا اللہ کو دھمکی آمیز نکاح کا پیغام بھیجا، اگر انکار کروگی تو تمہارے بڑے بیٹے عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کو جھوٹا الزام لگا کر خواہ مخواہ شراب پینے کی سزا میں گرفتار کرکے کوڑے لگواؤنگا، حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہا اللہ نے حاکم اور بادشاہِ وقت یزید بن عبدالملک کو عبدالرحمٰن بن ضحاک کے بارے میں ایک شکایتی رقعہ لکھا، یزید بن عبدالملک نے فوراً عبدالرحمٰن بن ضحاک کو معزول کرتے ہوئے عبدالواحد النصری جو طائف کا نائب تھا مدینہ کا گورنر مقرر کیا اور حکم دیا کہ اس بے ادب اور ناہنجار عبدالرحمٰن بن ضحاک کو اتنا مارو کہ اس کی چیخیں میں دمشق

Iqra Ghufran

میں اپنے بستر پر سنوں، چنانچہ عبدالواحد نے اسے سخت سزا بھی دی اور یزید بن عبدالملک کے حکم سے اس کی تمام جائیداد اور مال ضبط کر کے ۴۰ ہزار دینار جرمانہ بھی عائد کر دیا، اس کی حالت یہاں تک ابتر ہو گئی تھی کہ بدن پر ایک جبہ کے سوا اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا، یہ بھیک مانگنے لگا، لوگ اسے دھتکارتے اور شعراء اس کی مذمت میں اشعار کہتے (الکامل ج۴ ص۳۶۳، الافیہ اربع مائۃ ہجریہ، البدایہ والنہایہ ثم دخلت سنۃ مائۃ واربعۃ)

☐...... **ماہ ربیع الثانی ۱۲۵ھ**: میں بادشاہ ہشام بن عبدالملک کی وفات ہوئی (تقویم تاریخی ص۳۲)

ہشام بن عبدالملک بنوامیہ کے ان تین ممتاز ترین حکماء و باشاہوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے تدبر اور سیاست کا نقش تاریخ کے صفحات پر ثبت کر دیا (۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ جنہوں نے حکومتِ بنوامیہ کی داغ بیل ڈالی (۲) عبدالملک بن مروان (۳) ہشام بن عبدالملک۔ علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہشام باتدبیر، کفایت شعار، تیز فہم بادشاہ تھا، سلطنت کے چھوٹ چھوٹے معاملات بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ تھے، بردباری و تحمل مزاجی امتیازی خصوصیات تھیں، اخلاق و عادات کے لحاظ سے بھی بہت عمدہ مزاج تھا، شاہانہ غرور اور تمکنت اس کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی، ایک مرتبہ کسی شخص کو نازیبا الفاظ کہہ بیٹھا، اس شخص نے بگڑ کر کہا کہ خلیفۂ وقت ہو کر ایسے الفاظ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی، ہشام سخت شرمندہ ہوا، اور کہا تم مجھ سے بدلہ لے لو، اس نے کہا یعنی میں بھی تمہاری طرح کمینہ ہو جاؤں؟ تو ہشام نے کچھ مال دینا چاہا تو اس نے قبول نہ کیا، اس پر ہشام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجھے معاف کر دے، تو اس شخص نے کہا ہاں! اللہ تعالیٰ کے واسطے تمہیں معاف کرتا ہوں، اس کے بعد ہشام نے شرم کے مارے گردن جھکا لی اور ندامت سے کہا واللہ! آئندہ ایسی حرکت نہ ہوگی (بحوالہ ابنِ اثیر تاریخ ملت ج۵ ص۹۷، تاریخ ملت ج۱ ص۶۹۷، البدایہ والنہایہ ج۲ ص۱۰، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۶۰)

☐...... **ماہِ ربیع الثانی ۱۲۵ھ**: میں ولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان تختِ حکومت پر متمکن ہوا (تقویمِ تاریخی ص۳۲) جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد ترتیب وار حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پھر اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو ولی عہد منتخب کیا تھا، اسی طرح یزید نے ترتیب وار اپنے بھائی ہشام بن عبدالملک پھر اپنے کمسن بیٹے ولید بن یزید کو ولی عہد منتخب کیا تھا، ولید اپنے باپ سے زیادہ عیش پسند آوارہ مزاج اور نغمہ شیریں و بادِ رنگین میں مست نوجوان تھا، ہشام بن عبدالملک نے اسے پہلے تو درست کرنے کی کوشش کی تھی مگر کوشش کامیاب نہ ہوئی تو اسے ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے

بیٹے مسلمہ کو ولی عہد بنانا چاہا، مگر چند ناعاقبت اندیش اور اہلِ اسلام کی جمعیت کے شیرازے سے کھیلنے والے وزراء جو یزید کی حکومت میں اپنی ناجائز خواہشات اور شیطانی ارادوں کی تکمیل دیکھ رہے تھے، انہوں نے مسلمہ کی ولی عہدی پر زبردست مخالفت کی۔ اسی دوران اچانک ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہوگیا، ولید کو جب ہشام کی موت یعنی اپنی بادشاہت کی خبر ملی تو اس نے ہشام یعنی اپنے حقیقی چچا کی تمام ملکیت، جائیداد و مال ومتاع کو ضبط کرنے اور تمام گھر والوں کو نظر بند کرنے کا حکم جاری کیا، تمام مخالفین ارکان دولت سے سختی کے ساتھ انتقام لیا، خصوصاً ہشام کے بیٹوں یعنی آپنے چچازاد بھائیوں اوران کے خاندان کے افراد کے ساتھ تو بہت ہی ناروا سلوک کیا، بعضوں کو قید بعض کو سو، سو کوڑے لگوائے، اور بعض کو کوڑے بھی اور جلاوطن بھی (البدایہ ج۲ ص۱۰، ج۹ ص۲۵۴، تاریخِ ملت ج۱ ص۶۹۹، العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۱۶۰) سعید افضل

□...... **ماہِ ربیع الثانی ۱۵۰ھ:** میں حضرت عبدالملک بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۳۸) آپ ابنِ جریج رومی کے نام سے مشہور تھے، آپ امیہ بن خالد بن اسید کے غلام تھے، آپ کا شمار مشہور علماء میں ہوتا ہے، آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، آپ کی وفات کے بارے میں کئی اقوال ملتے ہیں، ۱۴۹ھ، ۱۵۰ھ، ۱۵۱ھ (وفیات الاعیان لابن خلکان ج۲ ص۷۸)

□...... **ماہِ ربیع الثانی ۱۵۴ھ:** میں افریقہ میں اباضیوں کا استیصال ہوا (تقویمِ تاریخی ص۳۹) اباضی خارجیوں کا ایک فرقہ ہے، جس کا بانی عبداللہ بن اباض تھا، اس فرقے کا آغاز ۶۵ھ میں ہوا، عبداللہ بن اباض نے خارجیوں کے انتہاء پسند فرقے ازرقیہ سے علیحدہ ہوکر اس فرقے کی بنیاد ڈالی، اباضی اپنے تمام مخالفین کو کافر سمجھتے ہیں، البتہ غیر اباضیوں سے نکاح کی اجازت دیتے ہیں، آج کل اس فرقے کے لوگ مشرقی افریقہ، لیبیا، اور جنوبی الجزائر کے علاوہ عمان میں پائے جاتے ہیں (اسلامی انسائیکلو پیڈیا ص۴۶)

□...... **ماہِ ربیع الثانی ۱۷۱ھ:** میں اندلس میں اموی حکومت کے بانی عبدالرحمٰن الداخل بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک کی وفات ہوئی، عباسیوں نے جب عراق کے علاقوں میں اموی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تو انہوں نے آئندہ اموی سلطنت بننے کے خوف سے کسی اموی کو زندہ رہنے کا موقع نہیں دیا، چنانچہ آخری اموی خلیفہ مروان کو تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے شہزادوں کو تلاش کرکے قتل کیا، اس قتل وغارت گری میں جس شہزادے کو جہاں سر چھپانے کا موقع ملا تو وہ وہاں روپوش ہوگیا، ان شہزادوں میں اندلس میں اموی حکومت کا بانی عبدالرحمٰن الداخل بھی تھا، عبدالرحمٰن الداخل کی پیدائش دمشق یا تدمیر کے نواح میں علیاء کے مقام پر ۱۱۳ھ میں ہوئی، امویوں کو جس وقت ہلاک کیا جارہا تھا، اس وقت

مغرب میں اندلس اورافریقہ ہی ان کی پناہ کا مرکز تھا،عبدالرحمٰن الداخل بھی عباسیوں کی نظروں سے چھپتا چھپاتا افریقہ پہنچ گیا،لیکن جب افریقہ میں بھی امویوں پرحالات تنگ کردیئے گئے تو عبدالرحمٰن اندلس پہنچ گیا،اورآہستہ آہستہ ایسے حالات پیدا کئے کہ عبدالرحمٰن الداخل اندلس کا امیر بن گیا،اور یہاں پرامویوں کی حکومت قائم ہوگئی،اور اندلس کی سرزمین امویوں کے لئے مامون ہوگئی،اوراموی جہاں جہاں بے کسی کے عالم میں پناہ لئے ہوئے تھے سب نے اندلس کی راہ لی،عبدالرحمٰن الداخل نے ۵۸ سال کی عمر میں وفات پائی،اوراس کے بیٹے عبداللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اورقطبہ کے محل میں تدفین ہوئی (تاریخِ اندلس ص ۱۷۵ تا ۲۰۱)

☐......**ماہِ ربیع الثانی ۱۹۰ ھ**: میں عبداللہ بن عمر بن غانم الرعینی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی،آپ کی ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی،آپ احادیث امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں،آپ اپنے زمانہ میں افریقہ کے قاضی بھی رہے ہیں (المنتظم ج۹ ص۱۸۶)

☐......**ماہِ ربیع الثانی ۱۹۹ ھ**: میں ھشام بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معاویہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، آپ نے امام مالک رحمہ اللہ سے حدیث کی سماعت کی اورعبداللہ بن وھب رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھے (المنتظم ج۱۰ ص۸۱)

☐......**ماہِ ربیع الثانی ۱۹۴ ھ**: میں بصرہ کے قاضی حضرت ابوالمثنیٰ معاذ بن معاذ العنبری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی،آپ حضرت حمید الطّویل رحمہ اللہ اوران کے طبقہ سے روایت کرتے ہیں،امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بصرہ،کوفہ اورحجاز میں آپ سے زیادہ علم وعمل میں کوئی مضبوط نہ تھا (العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۳۲۰) طارق محمود

مقالات ومضامین ترتیب: مفتی محمد رضوان

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب مدظلہم (قسط۱)

مدتِ دراز سے بعض احباب کا اصرار تھا کہ سیدی ومرشدی حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصؔر صاحب دامت برکاتہم کی حیات سے متعلق کچھ مضمون سامنے آجائے، کیونکہ عام طور پر اکابرین کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کا سوانحی خاکہ سامنے آتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سے حضرات استفادہ سے محروم رہ جاتے ہیں، اور بعد میں سوائے حسرت کے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا، اُدھر حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصؔر دامت برکاتہم کو اپنے سوانحی خاکہ کی اشاعت پر کچھ اطمینان نہ تھا، کئی مرتبہ بندہ نے حضرت والا کی خدمت میں تحریری وزبانی عرض کیا کہ حضرت بہت لوگوں کا اصرار ہے کہ حضرت والا کی زندگی کے کچھ حالات جمع ہوجائیں، جوخصوصاً حضرت والا کے متوسلین کے لئے فائدے سے خالی نہ ہونگے، مگر حضرت والا نے ہر مرتبہ عذر فرمادیا، اور ایک سے زیادہ مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ اولاً تو حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلہ میں اس طرح زندگی میں سوانح وغیرہ کا سلسلہ شائع ہونے کی روایت نظر نہیں آتی، دوسرے بندہ کو خود بھی اپنے اندر کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی، جو قابلِ اشاعت ہو، جب حضرت والا سے اس سلسلہ میں اس موضوع پر متعدد مرتبہ بندہ نے عذر معذرت کی اور کچھ ان امور پر گفتگو ہوئی جو حضرت والا کے لئے اطمینان سے مانع تھے، بالآخر حضرت والا دامت برکاتہم نے شفقت فرماتے ہوئے اس کی نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی ساتھ ہی بندہ کے اصرار پر ایک مختصر اور جامع تحریر بھی مرتب فرما کر عنایت فرمائی اور کچھ امور کی زبانی بھی نشاندہی فرمائی، لیکن ساتھ ہی حضرت والا نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:

> ''عموماً سوانح نگار حضرات بہت سے امور میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں جس کو بندہ پسند نہیں کرتا، اس لئے مبالغہ آرائی سے پرہیز کیا جائے البتہ ان امور کو بطور تاریخی یادداشت جمع کرلیا جائے''

لیکن اشاعت کا مناسب موقع نہ ہونے اور ترتیب میں کچھ عوارضات کی وجہ سے یہ کام مؤخر ہوگیا، اب خیال کیا کہ اس سلسلہ میں مزید تاخیر مناسب نہیں، اس لئے اس تحریر کو بعجلت مرتب کر کے شائع کیا جارہا ہے۔
قبل اس کے کہ اس موضوع پر کچھ لب کشائی کی جائے، اس کی ابتداء حضرت والا دامت برکاتہم کے اپنے

خود نوشتہ اس مضمون سے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو حضرت والا دامت برکاتہم نے ۳/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ کو بصد اصرار اپنے مبارک قلم سے تحریر فرمایا تھا اور اس کا عنوان بھی خود ہی ''عمر رفتہ کی یادیں'' قائم فرمادیا تھا، اس مضمون کی جامعیت اور دریا بکوزہ ہونے کا اندازہ تو قارئین کو پڑھنے سے ہی ہوگا، اس مضمون کی سرخیاں بندہ کی طرف سے قائم شدہ ہیں، وہ مضمون درجِ ذیل ہے۔

عمر رفتہ کی یادیں

''بعض احباب کے اصرار پر کہ اپنی زندگی کا ایک مختصر خاکہ تحریر میں لے آؤں۔

حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر زبان پر بے ساختہ آجاتا ہے: ؎

مری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو ۔۔۔ نہ پیری نہ طفلی نہ اس میں جوانی
جو کچھ ساعتیں یادِ دلبر میں گذریں ۔۔۔ وہی ہیں وہی کل مری زندگانی

ولادت

ماہِ رجب ۱۳۳۸ھ میں قصبہ مینڈھو ضلع علیگڑھ میں بندہ کی ولادت ہوئی۔ الحمد للہ عمر کے ۸۲ سال گذر گئے عمر غفلت میں ہوگئی برباد میرے اللہ تیری دھائی ہے۔

والد ماجد

والد صاحب مرحوم و مغفور کا نام محمد مسعود علیخان ہے۔

دادا مرحوم

میرے دادا نواب لیاقت حسین خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ کے رئیس تھے گو اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن فقیہ النفس، ابوحنیفۂ وقت، جنید و شبلی دوراں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت بابرکت کے باعث اتباعِ سنت اور استیصالِ شرک و بدعت میں اولیاء اللہ سلف کا نمونہ تھے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے بیعت تھے اور مدرسہ دیوبند کی اولین مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ اپنی رہائش گاہ کے متصل مسجد، مدرسہ اور خانقاہ بھی تعمیر کرائی تھی۔

دادی مرحومہ

میری دادی مرحومہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے

بیعت تھیں۔

ولادت کے وقت دادا مرحوم کی دعا

بندہ کی ولادت کے وقت دادا مرحوم نے کان میں اذان واقامت کے بعد مجھے یہ دعا دی کہ اے اللہ اسے کامل مومن اور صالح مسلمان بنادے جوان کے قلم سے لکھی ہوئی خاندانی رجسٹر ولادت واموات میں ہنوز موجود ہے۔

ابتدائی تعلیم

دادا مرحوم نے مینڈھو میں مدرسہ عربیہ یوسفیہ قائم کیا تھا جو نواب یوسف علیخاں مرحوم کے نام سے منسوب کردیا تھا۔ اس مدرسہ میں منقولات ومعقولات کے جو متبحر اساتذہ درس وتدریس پر فائز تھے وہ دیوبند اور تھانہ بھون سے بلائے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی آپ بیتی (جلد ششم) میں مینڈھو کے مدرسہ کا ذکر کیا ہے۔ مدرسہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی رحمہ اللہ کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے مقرر کیا تھا، بندہ کی ابتدائی دینی تعلیم اس مدرسہ میں ہوئی۔ دادا مرحوم مجھے دیوبند بھیجنا چاہتے تھے لیکن والدہ ماجدہ رحمہا اللہ کی محبتِ مادری آڑے آگئی۔ والد مرحوم کے بوجہ سرکاری ملازمت کے صوبہ یوپی کے مختلف اضلاع میں تبادلے ہوتے تھے اس لئے یہ طے ہوا کہ والدین کے ساتھ گھر پر ہی اساتذہ کو رکھ کر تحصیل علوم دین کی جائے۔

تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا بسم اللہ کرانا

چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ سے رجوع کیا گیا حضرت رحمہ اللہ نے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کے بڑے صاحب زادہ مولانا عمر احمد عثمانی تھانوی رحمہ اللہ کو متعین کیا والدہ مرحومہ کی درخواست پر حضرت والا رحمہ اللہ نے یہ درخواست قبول فرمالی کہ مجھ نالائق اور نااہل بندہ کی بسم اللہ تفسیر میں جلالین سے، فقہ میں ہدایہ اول اور حدیث میں مؤطا امام مالک سے شروع کی

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاں سنِ بلوغ سے قبل ہی حاضری

الحمد للہ سن بلوغ سے قبل ہی ناچیز اپنی والدہ کو لیکر تھانہ بھون جایا کرتا تھا کیونکہ حضرت والد

صاحب مرحوم بوجہ ملازمت زیادہ سفر نہیں کر سکتے تھے۔

اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد ہے میری عمر غالباً سات آٹھ سال کی تھی والدہ مرحومہ کے ساتھ باغپت سے تھانہ بھون جاتا تھا انکا قیام چھوٹی پیرانی صاحبہ کے گھر پر ہوتا تھا بندہ حضرت مولانا شبیر علی صاحب رحمہ اللہ (برادرزادہ حضرت والا) کے مکان پر ٹھہرا کرتا تھا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہونے کا شرف

کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت والا رحمہ اللہ اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے بلکہ ایک ہی پیالہ میں حضرت کے ساتھ نوالہ کھایا ہے۔ گویا کہ ہم پیالہ ہم نوالہ کی سعادت بھی بفضلہٖ تعالیٰ اس نالائق کو نصیب ہوئی ہے، حضرت نے دورانِ طالبعلمی میں بیعت کرلیا تھا۔

مولوی عالم، مولوی فاضل کا نصاب

پنجاب اور الہ آباد کے جن اداروں سے دینی علوم کے امتحانات ہوتے تھے۔ چار سال کا نصاب تھا الحمدللہ مولوی عالم، مولوی فاضل کی سند حاصل کی (حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فراغت پر پگڑی باندھی تھی وہ بحمد اللہ تعالیٰ ابھی تک موجود ہے)

منشی عالم اور منشی فاضل کا نصاب

نیز پنجاب سے منشی، منشی عالم اور منشی فاضل کے امتحانات میں کامیابی حاصل کی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے بیعت کا شرف

حضرت نے خانقاہ کی مسجد میں بعد نمازِ عصر مجھے اور میرے بھائی محمد سلیم صاحب کو بیک وقت مرید کیا تھا۔

بوقتِ بیعت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دعا و نصیحت

بندہ عربی کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور بھائی محمد سلیم صاحب انگریزی پڑھتے تھے حضرت نے دونوں کیلئے دعا کی۔

بیعت کے بعد بندہ سے فرمایا کہ ابھی طالب علم ہو صرف مختصر ذکر کی تعلیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ بعد فراغت اصلاح کیلئے آنا۔

علیگڑھ سے ایم۔اے اور قانون کی ڈگری

دینی تعلیم کے اختتام پر علیگڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے اور قانون کی ڈگری بھی حاصل کی تھی۔ وائے افسوس کہ جب علومِ دینی اور فنونِ عصری سے فارغ ہوا تو حضرت والا سفرِ آخرت پر رحلت فرما گئے

تہیدستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل   خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اللہ تعالیٰ والدہ مرحومہ کو زیادہ سے زیادہ بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے جنکی تمناؤں اور دعاؤں کے صدقہ میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک غیر مستحق اور ناکارہ و ناکنندہ تراش بندہ مجددِ وقت جامع المجدد دین کا نظر افتادہ و دست گرفتہ غلام بن گیا۔

نازم بہ چشم خود کہ جمال تو دیدہ است   افتم بہ پائے خود کہ بکویئت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را   کہ دامنت گرفتہ بسوئم کشیدہ است

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے متعدد اجلّ خلفاء سے تعلق

الحمدللہ حضرت رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ان کے اجلِ خلفاء سے اصلاح ومجالست ومکاتبت کی توفیق نصیب ہوتی رہی ۔ ہندوستان سے پاکستان میں سکونت ۱۹۴۸ء میں منتقل کرنے کے بعد کراچی میں مستقل قیام رہا بیک وقت حسبِ ذیل خلفاء عظام بقید حیات تھے، حضرت مفتی اعظم محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری، حضرت عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی، حضرت بابا نجم احسن صاحب حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی عثمانی ، حضرت حافظ عبدالولی صاحب ، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب، حضرت مولانا شبیر علی صاحب، حضرت ظفر احمد صاحب انجینئر، حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب وغیرہ رحمھم اللہ

اکابرین کی صحبت، زیارت اور دعاؤں کا شرف

الحمدللہ تمام اکابر کی صحبت وزیارت ودعائیں بندہ کو نصیب ہوئیں ان قدسی صفات اولیاء کی مجالس میں پابندی کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تقریباً چالیس سال کا عرصہ مختلف ادوار میں ان حضرات کی خدمت بابرکت میں گزرا۔

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری رحمہ اللہ سے تعلق

علاوہ ازیں صوبہ سرحد میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمہ اللہ کی خانقاہ میں ذکر وفکر کا سلسلہ

جاری رہا۔

حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ سے تعلق

ہندوستان میں جب بھی جانا ہوتا مخدومی حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شروانی مسیح الامت رحمہ اللہ کی خانقاہ میں قیام کرتا تھا، حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات پاکستان بننے سے قبل ہی تھی کیونکہ باغپت اکثر جانا ہوتا تھا۔ بندہ کے بہنوئی نواب ارشاد علیخاں صاحب مرحوم کے ہمراہ جلال آباد جایا کرتا تھا، لیکن اصلاحی تعلق حضرت مسیح الامت رحمہ اللہ سے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کے بعد شروع ہوا۔

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمہ اللہ کے ہاں بطور مہمان قیام

الہ آباد میں ۱۹۴۰ء میں حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمہ اللہ کے ہاں چند روز مہمان رہا۔

پھوپھا صاحب جناب نواب جمشید علی خان مرحوم

بندہ کے پھوپھا نواب جمشید علیخاں صاحب مرحوم باغپت کے رئیس تھے اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے خواص میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ کے باغپت میں نواب صاحب مرحوم کے مکان پر کئی وعظ ہوئے تھے ''بزم جمشید'' ''خمخانہ باطن'' کے عنوان سے جو ملفوظات ہیں ان میں ایک ملفوظ ہے جس میں حضرت والا نے فرمایا کہ ان کے یہاں کی مستورات تو اپنے وقت کی رابعہ بصریہ ہیں'' فقط۔ محمد عشرت علی خان۔ ۳ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ (جاری ہے......)

درسِ علم وعرفان

صفحات 75 قیمت:66 روپے

تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

درسِ علم وعرفان ایک علمی وادبی بلکہ روحانی وانقلابی اور اصلاح باطن میں مؤثر رسالہ ہے، جس میں قارئین کو اس داخلی مدرسہ ایمان ویقین میں داخلہ کی دعوت ہے، جب بھی چاہیں جس وقت بھی چاہیں گردن جھکالیں اور داخلی مدرسہ سے استفادہ کریں۔

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان ☎ 0923-630237

مقالات ومضامین

عبدالواحد قیصرانی

تقلید کی حقیقت

فقہائے کرام کی تقلید صرف اور صرف مسائلِ اجتہادیہ میں ہوا کرتی ہے اور مسائلِ اجتہادیہ کی چار صورتیں ہیں: (۱) غیر منصوص (۲) منصوص متعارض (۳) منصوص غیر متعارض محتمل (۴) تعینِ احکام۔
جن کی کچھ تفصیل یہ ہے:

(۱)......غیر منصوص

اس سے مراد وہ مسائل ہیں کہ جن کا ذکر قرآن وسنت میں نہیں ہے، بلوغ المرام کے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ سے احکام کی روایات چار ہزار چار سو ہیں۔ علامہ شبلی رحمہ اللہ سیرۃ نعمان میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بارہ لاکھ نوے ہزار مسائل مدوّن کروائے (اور یہ بات کسی ذی شعور عقلمند پر مخفی نہیں کہ سائنس کی ترقی کی وجہ سے روز بروز نت نئے مسائل پیدا ہو کر بڑھتے جا رہے ہیں)

بعض مسائلِ غیر منصوصہ: جدہ (دادی) کی وراثت کا مسئلہ (حضور ﷺ کے زمانے میں یہ مسئلہ پیش نہیں آیا) بھینس کے گوشت، دودھ، گھی، مکھن اور دودھ کے حلال یا عدم حلال ہونے کا مسئلہ نیز بطخ کے انڈہ کا مسئلہ۔ ٹیکے سے روزے کا ٹوٹنا یا نہ ٹوٹنا، ٹیپ ریکارڈر سے سجدہ تلاوت کے وجوب اور عدمِ وجوب کا مسئلہ، نیت کا مفہوم، یعنی قصد القلب علی الفعل کہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر دل کا ارادہ وقصد کرنا یہ تعریف فقہاء اور اہل لغت نے بیان کی ہے قرآن وحدیث میں نہیں نیز نیت کس لیے مشروع ہوئی ہے (ہمارے فقہاء رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ تاکہ عبادت اور عادت میں فرق ہو جائے) اسی طرح تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کی بجائے اللہ الاکبر اللہ الکبیر وغیرہ کہہ دیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ یہ سب باتیں غیر منصوص علیہ ہیں کہ جن کا حل حضراتِ فقہاء نے قرآن وسنت کی روشنی میں بیان فرمایا ہے۔

(۲)......مسائلِ منصوصہ متعارضہ

یعنی وہ مسائل جن میں دو طرح کی نص وارد ہوئی ہے مثلاً وتر کی ایک رکعت یا تین رکعت، نماز میں ہاتھ باندھنا یا چھوڑ کر نماز پڑھنا، آمین بالجہر کہنا یا نہ کہنا، اسی طرح نماز میں رفع الیدین کا مسئلہ کہ رفع یدین کیا

جائے یا نہ کیا جائے اس طرح کے مسائل میں مجتہد مزید قرائن اور ترجیحات کی روشنی میں اجتہاد کرتے ہوئے اپنی رائے ایک جانب قائم کرتا ہے اور غیر مجتہد اسکی تقلید کرتا ہے یعنی ان جیسی متعارض روایات میں مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق بعض روایات کو دوسری بعض روایات پر ترجیح دی ہے۔

(۳)......نصوص محتملہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات ایک لفظ میں کئی معانی کا لحاظ ہوتا ہے اور قرآن وسنت نے کسی ایک معنی (معنیٰ مرادی) کی تعین نہیں کی ہوتی تو مجتہد معنی مرادی کی تعین کرنے کے لئے اجتہاد کرتا ہے جیسے ''ثلاثۃ قروء ''میں ''قروء قرء'' کی جمع ہے کہ جو دو متضاد معانی یعنی حیض اور طہر دونوں کیلئے بولا جاتا ہے اور قرآن وسنت سے کسی ایک معنی کی تعین نہیں ہوتی تو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد سے تین حیض والا معنی متعین کیا اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد سے تین طہر کی تعین فرمائی ہے

(۴)......تعین احکام

یعنی شریعت مطہرہ میں کس چیز کا کیا درجہ ہے مثلاً حضور ﷺ نے وضو کر کے دکھا دیا اور نماز پڑھ کر اور حج کر کے دکھا دیا لیکن یہ تفصیلی طور پر نہیں بتلایا کہ اس میں شرائط کیا ہیں، فرائض، واجبات اور مستحبات کیا کیا ہیں؟ کتنی چیزیں حرام اور کتنی چیزیں مکروہ ہیں مامورات اور منہیات میں درجات کی تعین حضرات فقہاء اور مجتہدین نے فرمائی ہے اور یہ ساری حد بندی انہیں حضرات کی مرہون منت ہے جو کہ بلاشبہ امت پر بہت بڑا احسان ہے۔کوئی بھی سلیم الفطرت مسلمان اسکی افادیت سے انکار نہیں کرسکتا۔

الغرض مسائل اجتہادیہ میں مجتہد کو استنباط واجتہاد اور غیر مجتہد یعنی عامی اور مقلد شخص کو سوائے اس کی اتباع کے کوئی چارہ کار نہیں۔

مجتہد کی صفات اور اس کی ذمہ داریاں

اجتہاد واستنباط کے لئے مجتہد کو چار باتوں کی رعایت کرنی ہوتی ہے۔پہلی بات تو وہ یہ دیکھتا ہے کہ جن ذرائع سے یہ احکام ہم تک پہنچے ہیں وہ یقینی ہیں یا ان میں کوئی غلطی کا امکان بھی ہے (کتب اصولِ حدیث کا تمام تر ذخیرہ اور اسماء فن الرجال کا پورا فن اسی عظیم مقصد کے پیشِ نظر وجود میں آیا ہے) دوسرے نمبر پر مجتہد کو اس بات کا لحاظ کرنا ہوتا ہے کہ ان دلائل کے ذریعے ہم نے جو مفہوم سمجھا ہے تو وہ عربی زبان

(بشمول اس کے قواعد وغیرہ) اور اصولِ استنباط کی رو سے یہ مفہوم کس حد تک صحیح ہے؟ عربی لغت، نحو، صرف، معانی و بیان کے قواعد تو بلاشبہ اس کے لئے ضروری ہیں ہی لیکن اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فن اصول فقہ ہے پر مجتہد کو عبور حاصل ہو، تیسرا کام مجتہد کا یہ ہے کہ وہ دلائل میں تعارض کے وقت تاریخی اعتبار سے تقدم و تاخر کی تحقیق کرے بصورتِ دیگر متعارض دلائل میں ایسی موافقت و تطبیق پیدا کرے اور دونوں کے لئے ایسے محل متعین کرے کہ تعارض باقی نہ رہے، ورنہ پھر اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کی روشنی میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دے اور مرجوح پر عمل کو مؤدب انداز سے ترک کردے، مذکورہ بالا اجتہاد کے ان تین اساسی اور بنیادی امور کے ساتھ ساتھ جس چوتھی شیء کا مجتہد کے لئے ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ شریعت کے مجموعی مزاج و مذاق اور اسکی روح سے آشنا ہو، جس کے لئے فقہی کلیات (قواعدِ فقہ) پر بصیرت ضروری ہے۔

محترم قائین! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن وسنت سے (مسائلِ اجتہادیہ میں) اجتہاد و استنباط کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ غیر معمولی صلاحیت و استعداد اور فقہی بصیرت کی ضرورت ہے بلکہ طرح طرح کی پیچیدگیوں اور پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

حاصلِ کلام

اس لئے اب دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ ہر کس و ناکس محض اپنی فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے ان مسائل میں غور فکر اور اجتہاد کرنے کے بعد اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اجتہاد کی صلاحیت واستعداد اور اس کی شرائط کے فقدان کی بناء پر مسائلِ اجتہادیہ میں رائے زنی کرنے کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ خواہشاتِ نفسانی کے اندوہناک پھندوں میں الجھنا پڑے گا بلکہ اس سے زیغ و ضلال اور گمراہی کا ایسا دروازہ کھلے گا کہ جس کا بند کرنا ناممکن ہوگا اور دوسری معقول صورت یہ ہے کہ جن جلیل القدر، عظیم المرتبت اور ممتاز و ثقہ اسلاف نے خیر القرون کے دور میں بیٹھ کر وقت اور اپنے اپنے فن کے نامور اور ماہر علماء کرام کے باہمی اتفاق و مشورہ سے قرآن وسنت کی روشنی میں ان مسائل کا جو حل پیش فرمایا ہم انکی اتباع اور پیروی کریں اگر انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو بلاشبہ یہی دوسری صورت محتاط اور عام انسانوں کے لئے عافیت کا باعث اور سودمند ہے کہ جس میں کجی اور گمراہی کا امکان بالکل نہیں۔

نیز یہ بات کسی پر مخفی نہیں بلکہ ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرون اولی کے علماء وفقہاء علم وفہم، ذکاوت و حافظہ، دین ودیانت وامانت، ورع وتقویٰ اور پرہیز گاری کے جس اعلیٰ اور بلند مرتبہ پر فائز تھے تو اس گئے گزرے دور میں ان کی نسبت ان صفاتِ حمیدہ کے لحاظ سے ہم اس قدر تہی دست ودامن ہیں کہ ان اسلاف سے ہمیں ادنیٰ سی مناسبت بھی نہیں ہے کہ ان کا زمانہ نزول قرآن سے قریب کا زمانہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کا دور تھا، جس کی بناء پر انکے لئے قرآن وسنت کی مراد کو سمجھنا زیادہ آسان تھا اور ہمارے لئے اس زمانے کی طرزِ معاشرت اور اندازِ گفتگو کا بعینہ تصور بڑا دشوار ہے، جبکہ کسی کی بات کو سمجھنے کے لئے ان باتوں سے واقفیت اور مناسبت بہت ضروری ہے۔ بہر حال اس مذکورہ حالت کے پیشِ نظر اگر ہم مسائلِ اجتہادیہ میں اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد کرنے کی بجائے اس حسنِ ظن کے ساتھ اپنے اسلاف میں سے کسی بزرگ کی پیروی کریں کہ انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں جو سمجھا وہ صحیح ہے (اور یہی تقلید ہے) کیونکہ ان کے استنباط کردہ فقہی احکام کا یہ سارا ذخیرہ لگ بھگ ۱۲سو سال سے تحقیق وتنقیح اور تنقید کی چھلنیوں سے گذر کر آیا ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے لے کر ہر چھوٹے بڑے فقیہ کے بکثرت اقوال کو مرجوح قرار دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے یہ اسی تحقیق کی چھلنی سے گذرنے کی وجہ سے ہے لہٰذا جن احکام فقہ پر ۱۲سو سال سے پوری امت بشمول علماء وفقہاء ومحققین کے عمل پیرا ہے ان کی محض اپنے وہم ونفسانیت سے شبہ کرنے کی کیا گنجائش رہتی ہے یہ پوری امت سے ہٹ کر اپنے لئے ایک علیحدہ راستہ اختیار کرنا جو کہ عقل وانصاف کے بھی منافی ہے۔ تو اب بھلا بتایئے کہ اپنی قصور فہم کی بناء پر ان مسائل میں اسلاف کی اتباع کرنے میں آخر کفر وشرک کی کونسی ایسی بات ہے......؟؟؟؟ جبکہ خود قرآن وسنت میں ایسے ہی مواقع کے لئے اہل علم کی تقلید واتباع کا حکم آیا ہے۔

(جاری ہے............)

بسلسلہ : نبیوں کے سچے قصے مولانا محمد امجد حسین

حضرت صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود (قسط۱۲)

آگے قومِ ثمود کا ذکر سورۃ نمل کی آیت ۴۵ تا آیت ۵۳ میں آیا ہے، یہ آیات بینات ملاحظہ ہوں:

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَاهُمْ فَرِیْقَانِ یَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ج لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّیَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝ وَكَانَ فِی الْمَدِیْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ یُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَیِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةً بِمَا ظَلَمُوْا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝''

ترجمہ: اور البتہ ہم نے بھیجا ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح کو کہ خدا کو پوجو پھر تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے، صالح علیہ السلام نے کہا کہ بھائیو! نیکی سے پہلے برائی کیوں جلد چاہتے ہو کیوں خدا سے بخشش و مغفرت نہیں چاہتے، شاید تم پر رحم کیا جائے، بولے ہم نے تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو بدشگون پایا ہے (یعنی تمہاری رسالت کے بعد قوم کو نحوستوں کا سامنا ہے) اس نے فرمایا تمہاری نحوست و بدبختی اللہ کے پاس ہے، بلکہ تم لوگ جانچے جاتے ہو (رسول کی بعثت سے تمہاری آزمائش شروع ہوگئی اور سختی و نرمی کے مختلف حالات میں مبتلا کردیئے گئے، کہ کون فرمانبردار بنتا ہے اور کون کفر و نافرمانی پر اڑا رہتا ہے) اور شہر میں نو آدمی تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے، صلح نہیں، انہوں نے کہا کہ آؤ آپس میں خدا کی قسم کھائیں کہ ہم صالح اور صالح کے خاندان پر شب خون ماریں، پھر اس کے وارث (ولی، خون کے دعویدار) سے ہم کہہ دیں گے کہ اس کے خاندان کے قتل میں تو ہم شریک (موقعہ پر

موجود) بھی نہ تھے، اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں، اور انہوں نے چھپی تدبیر کی اور ہم نے بھی چھپی تدبیر کی اور ان کو خبر نہیں، پھر دیکھو ان کی چھپی تدبیروں کا کیا انجام ہوا کہ اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو، سو یہ ہیں ان کے گھر اور مسکن جو ان کی گناہ گاری کے باعث ویران پڑے ہیں (ڈھے ہوئے) بلاشبہ اس میں جاننے والوں کے لئے ایک نشانی (بڑی عبرت) ہے اور ایمان والوں کو ہم نے نجات دی کہ وہ پرہیزگار تھے۔

ان آیات کا گذشتہ آیات سے ایک عجیب ربط

صاحبِ تفسیر معارف القرآن (ادریسی) نے ان آیات کے مضمون کا جو قومِ ثمود سے متعلق ہے، اس سے پچھلی آیات کے مضمون سے جو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا سے متعلق ہے (پیچھے پوری تیس آیات میں یہ مضمون پھیلا ہوا ہے) یہ باریک ربط بیان فرمایا ہے کہ ملکہ سبا جو ایک عورت تھی اور پوری قوم کی تاجدار تھی اس کو ہُد ہُد جیسے چھوٹے پرندے کے ذریعے ہدایت ہوگئی جو سلیمان علیہ السلام کا ایلچی بن کر ملکہ کے پاس گیا تھا اور قومِ ثمود کے سربرآوردہ لوگ باوجود مرد ہونے کے جو اصلاً عقل وفہم میں عورت سے بڑھ کر ہوتے ہیں ان کو اللہ کی اونٹنی جیسے بڑے حیوان سے (جو اپنی پیدائش اور ڈیل ڈول میں بھی اللہ کی کھلی نشانیاں رکھتی تھی) بھی ہدایت نہ ہو سکی اور الٹا اس اونٹنی کے پیچھے پڑ گئے جو خود ان کی طرف سے نشانی مانگنے پر پیدا کی گئی تھی اور حضرت صالح علیہ السلام کی جان لینے کے بھی درپے ہوگئے اور ان کے پورے گھرانے کو ختم کرنے کے لئے شب خون مارنے جیسا بھیانک اور خوفناک منصوبہ بنایا، لیکن یہ منصوبہ الٹا ان کے گلے پڑ گیا اور قدرت کے مکافاتِ عمل کے تحت خود قضائے الٰہی کے شبِ خون کا شکار ہوگئے ''وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا'' اسی عمل ورَدِّعمل کے سلسلے کا عنوانِ جلی ہے۔

''طَائِرُكُمْ عِنْدَاللّٰهِ'' کا مطلب

مذکورہ آیات میں دو لفظ آئے ہیں ایک ''اِطَّيَّرْنَا'' جو قومِ ثمود کا مقولہ ہے یعنی ہم بدشگونی لیتے ہیں، دوسرا ان کے جواب میں حضرت صالح علیہ السلام کا مقولہ ''طَائِرُكُمْ عِنْدَاللّٰهِ'' یعنی تمہاری بدبختی اللہ کے پاس ہے، اسی طرح کے الفاظ سورۃ اعراف آیت ۱۳۱ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قومِ فرعون کے متعلق بھی مذکور ہیں جو یہ ہیں ''اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ اَلَاۤ اِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِنْدَاللّٰهِ'' یعنی فرعون اور اس کی قوم کو اپنے کفر اور طغیان وسرکشی کے باعث اللہ تعالیٰ کسی جانی، مالی تنگی، قحط سالی وغیرہ میں

مبتلا کرتے تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے جب سے یہ لوگ ظاہر ہوئے ہیں اور ایک نئے دین کا قصہ چھیڑا ہے اس کے بعد یہ مصائب اور بلائیں ہم پر ہجوم کررہی ہیں اس سے پہلے تو ہم بڑے موج میلے میں تھے، اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے دیا کہ ان کی نحوست و بدبختی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے، یعنی جب تک نبی نہیں آیا تھا تو اتمامِ حجت نہ ہونے کے سبب ان کے کفر و سرکشی پر گرفت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کھلم کھلا نہ ہوتی تھی، نبی جب آئے اور حق و باطل ان پر واضح ہو گیا اب کفر پر ان کا ڈٹنا چونکہ محض ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ہے اس لئے اب حق کو دھتکارنے اور سرکشی میں آگے بڑھنے پر گرفت ہوتی رہے گی کہ شاید اس طرح ہی باز آجائیں اور قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے دنیا کے چھوٹے عذاب کا نمونہ دیکھ کر سنبھل جائیں، اور باز آجائیں، اس طرح قومِ صالح اور دوسری قوموں کے لئے بھی قدرت کا یہی قانون اور ضابطہ رہا، اب یہ بصیرت سے محروم لوگ نبی کی دعوت پہنچنے کے بعد انکار کرنے پر قدرت کی طرف سے ابتدائی سزا اور پکڑ میں مبتلا ہونے سے عبرت پکڑ کر بجائے اس کے کہ اب بھی باز آتے الٹا اپنی بداعمالیوں کی نحوست کے طور پر آنے والی آزمائش کو بھی نبی کے کھاتے میں ڈالتے کہ چونکہ تمہاری نبوت کے بعد ہم پر یہ مشکل حالات آئے ہیں اس لئے ہونہ ہو یہ تمہاری نحوست سے ہے، اس کے جواب میں صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہاری نحوست اللہ کے پاس ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کے طعنہ کا جواب تو خود اللہ تعالی نے دیا کہ ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے (جیسا کہ مذکورہ سورۃ اعراف کی آیت میں ہے) یہ مطلب ہے ''طَائِرُکُمْ عِنْدَاللّٰہِ'' کا۔

نبی علیہ السلام کی ایک حدیث

بخاری شریف کی ایک روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاعَدْوٰی وَلَاطِیَرَۃَ وَلَاھَامَۃَ وَلَاصَفَرَالخ.

کہ چھوت چھات (بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا) بدفالی، نحوست اور صفر یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں (بحوالہ ماہ صفر اور جاہلانہ خیالات ص ۹)

اس روایت میں بھی نحوست و بدشگونی کے لئے ''طِیَرَۃَ'' کا لفظ آیا ہے اصل میں ''طِیَرَۃَ'' ''طائر'' کے معنیٰ اڑنے کے اور اڑنے والے کے آتے ہیں، عربی میں ''طَارَیَطِیْرُ طِیْرَاناً'' اسی معنیٰ میں آتا ہے، چنانچہ پرندے کو ''اَلطَّیْرُ'' کہتے ہیں، بدشگونی کے لیے اس لفظ کے استعمال کا پسِ منظر یہ ہے کہ اسلام

سے پہلے عرب کے جاہلی معاشرہ میں بدفالی اور شگون لینے کا اس حد تک رواج تھا کہ کسی سفر پر جانے یا کسی بھی اہم کام کا ارادہ کرنے سے پہلے باہر نکل کر کسی درخت وغیرہ پر بیٹھے پرندوں کو للکار کر اڑاتے اگر پرندہ دائیں سے بائیں اڑاری مارتا تو اس سے بدشگونی لیتے اور سمجھتے کہ اس کام میں کامیابی نہ ہوگی اور اپنے ارادے سے باز آ جاتے، اگر اس کے برخلاف یعنی بائیں سے دائیں اڑتا تو نیک فال لیتے، ان چیزوں کی بنیاد محض توہمات اور تخیلات پر تھی، حقیقت سے اس کا کچھ بھی مس نہیں اور توہم پرست قومیں انہی توہمات میں پڑ کر اپنی ہمتوں اور صلاحیتوں کو گھن لگا لیتی ہیں اور اس دارالاسباب یعنی دنیا کے اس سارے نظام کو جس کے اختیاری و تکلیفی امور کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب سے باندھ رکھا ہے اور اس سے مستفید ہونے کے لئے انسان کو ہمت، طاقت، صلاحیت، عقل، سمجھ اور اعضاء وجوارح عطا فرمائے ہیں انسان توہم کو عقیدہ بنا کر ان سب چیزوں کی ظاہری تدابیر اور محنت وجدوجہد سے آنکھیں بند کر کے زندگی کی دوڑ دھوپ کو موہوم اندیشوں کی نذر کر دیتا ہے، اس لئے ایسی توہم پرست قومیں اور معاشرے دنیا میں کوئی نمایاں ترقی نہیں کر سکتیں، اور منصبِ خلافت کے حسی و مادی درجہ کی بھی بے توقیری و بے آبروئی کرتی ہیں، جس کے لئے ایمان بھی شرط نہیں، وہ اپنی صلاحیتوں کو اگر کسی کام میں لگاتی بھی ہیں تو وہ کام انسانی زندگی یا نظامِ کائنات کی مقصدیت سے کوئی زیادہ موافقت نہیں رکھتا مثلاً اسی قومِ ثمود کو دیکھیں اور ان سے پہلے قومِ عاد کو دیکھیں جو قوت وطاقت، ہنر وصلاحیت اور جسامت وضخامت میں سب قوموں سے بڑھ کر تھیں خود قرآن نے فرمایا ''لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر)'' ''کہ ایسے لوگ علاقوں میں پیدا نہیں کئے گئے''، لیکن ان کی یہ صلاحیتیں کس کام میں خرچ ہوئیں، پہاڑ اور چٹانیں کریدنے میں؟ اور بدامنی وفساد پھیلانے میں؟ (جاری ہے............)

بسلسلہ: صحابہ کے سچے قصے

انیس احمد حنیف صاحب

صحابیٔ رسول حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ

خواب کی حیثیت سب کے لئے ایک سی نہیں ہوتی ......انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خواب، اللہ کے نیک بندوں کے خواب اور معصیت و نافرمانی میں گھرے ہوئے انسانوں کے خواب ......عشاق کے خواب، جاں نثاروں کے خواب، اور قول وعمل کے تضاد کے شکار بے حس انسانوں کے خواب ......لیکن ایک بات تمام خوابوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ شیطان کسی کے بھی خواب میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک صورت میں نہیں آ سکتا ......اسی لئے جب اللہ کے نیک بندے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھتے ہیں تو ان کے دل اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ انہوں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ ہی کو دیکھا ہے اور اُنہیں دھوکہ نہیں ہوا......پھر صحابہ کرام جو اپنے سر کی آنکھوں سے اپنی دنیوی حیات میں رسول اللہ ﷺ کے حُسن و جمال کا مشاہدہ کرتے تھے بھلا وہ خواب میں آپ ﷺ کو دیکھ کر کیوں نہ پہچان لیتے ......اور کیوں نہ ایسے خوابوں کو اپنی نیندوں میں حاصل ہونے والے اعلیٰ ترین خزانے قرار دیتے ......محبت بھرے خوابوں کا محبوب کے سامنے تذکرہ عشاق کے یہاں ہمیشہ سے پسند کیا جاتا ہے......اللہ کے رسول ﷺ کی موجودگی میں ایک جاں نثار حاضر خدمت ہوئے ...... یا رسول اللہ (ﷺ)! ......میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ میں اپنے ان ہونٹوں سے آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کا بوسہ لے رہا ہوں...... رحمتِ عالم ﷺ محبت کرنے والوں کے دلوں کی کیفیتیں خوب سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے، آپ ﷺ بھی تو کسی ذات کے لئے بے پناہ عشق و وارفتگی کے جذبات رکھتے تھے، راتوں کو اپنے محبوب کے سامنے کھڑے ہوتے تو پیر مبارک متورم ہو جاتے، باتیں کرنے اور دعائیں مانگنے بیٹھتے تو آنکھوں سے اشکوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتیں، روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، انسانی دل عشق ومحبت کی جن جن کیفیات سے گزر سکتا ہے آپ ﷺ کو اُن تمام کیفیتوں کا اعلیٰ ترین درجہ حاصل تھا...... آپ ﷺ کو اپنے عشاق کی محبتوں کا اس قدر پاس تھا اور اب تک ہے اور اللہ تعالیٰ بھی آپ ﷺ کی ان محبتوں کی اتنی قدر فرماتے ہیں کہ اب بھی دنیا کے جس بھی گوشے میں جس بھی حالت میں جو بھی سچی محبت کرنے والا آپ ﷺ پر درود پڑھتا ہے اور اپنی طرف سے اس میں عقیدہ وعمل کی کوئی

خرابی شامل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ذمہ داری لگا رکھی ہے کہ وہ فوراً اُس شخص کا سلام بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ اپنے ہر ہر سچی محبت کرنے والے کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں......سبحان اللہ......اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ......اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اور اپنے پیارے بندے رسول حضرت محمد ﷺ کی سچی محبت اور اطاعت نصیب فرمائیں (آمین)۔

اپنے جاں نثار کی زبان سے اس محبت بھرے خواب کا اظہار سنا تو آپ ﷺ نے اپنی پیشانی مبارک آگے بڑھا دی اور فرمایا، اچھا تو لو اپنے خواب کو سچا کر لو......حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہونٹ رسول اللہ ﷺ کی پُر جمال پیشانی مبارک پر رکھ دیئے......زہے نصیب محبت قبول ہے جن کی

یہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے......ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، دام طے ہوگئے تو آپ ﷺ اُسے ساتھ لے چلے کہ چل کر گھوڑے کی قیمت ادا فرمادیں، راستہ میں آپ ﷺ کی رفتار مبارک تیز تھی آپ ﷺ آگے بڑھ گئے جبکہ وہ اعرابی اپنے گھوڑے کے ساتھ کچھ پیچھے رہ گیا لوگوں کو یہ خبر نہیں تھی کہ نبی کریم ﷺ یہ گھوڑا خرید چکے ہیں انہوں نے اس بدو سے گھوڑے کی قیمت پوچھی اور اس قیمت سے جس پر نبی کریم ﷺ اسے خرید چکے تھے زیادہ قیمت اُس گھوڑے کی لگا دی......پتھروں اور مال کی محبت رکھنے والوں کو بھلا اخلاقیات اور اصولوں سے کیا سروکار......زیادہ پیسے آتے دیکھ کر بدو نے دور سے آپ ﷺ کو پکارا اور صدا لگائی کہ آپ اگر اسے خریدتے ہیں تو خرید لیجئے ورنہ میں اسے بیچتا ہوں......آپ ﷺ نے اُس کی یہ بات سُنی تو قریب آئے اور فرمایا کہ کیا یہ میں تم سے خرید نہیں چکا؟؟؟......بدو نے جھوٹ بولا نہیں اگر ایسا ہے تو کوئی گواہ لاؤ......یہ گفتگو سُن کر مسلمان جمع ہوگئے ان میں حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے انہوں نے جب یہ سُنا تو بولے ہاں میں گواہ ہوں ہمارے نبی ﷺ تم سے یہ گھوڑا خرید چکے ہیں تم ان کے ہاتھ اس گھوڑے کو پہلے ہی فروخت کر چکے ہو (اور اب جھوٹ بول رہے ہو)......اُن کی اس بات پر نبی کریم ﷺ کو اس وجہ سے حیرت ہوئی کہ یہ تو اُس وقت وہاں موجود نہیں تھے جب یہ سودا ہوا تھا آپ ﷺ نے پوچھا، خزیمہ تم کیسے گواہی دے رہے ہو......حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ محبت بھرے لہجے میں ادب کے ساتھ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ﷺ! میں تو آپ کی تصدیق کر رہا ہوں، ہم تو آسمانوں کی خبر میں آپ ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں تو کیا زمین کی باتوں میں آپ ﷺ کی تصدیق نہ کریں گے

﴿بقیہ صفحہ ۴۲ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

بسلسلہ اصلاحِ معاملہ مفتی منظور احمد صاحب (فیصل آباد)

آدابِ تجارت (قسط۱۲)

(۲۲)......اخراجات میں سے بچت کرنا

اِنَّ اَمْرَ کُنَّ مِمَّا یَھُمُّنِیْ مِنْ بَعْدِیْ الخ(مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۵۶۷،باب مناقب العشرۃ،فصل ثالث)

یعنی تمہارے اس معاملے نے مجھے فکر میں ڈال رکھا ہے کہ میرے بعد تمہارا گذارا کیسے ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ کی کوئی میراث نہ تھی اور ازواجِ مطہرات نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی تھی۔

بچت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کے راستے اور خیر کے کاموں میں خرچ کرنا آسان ہوجاتا ہے کیونکہ اصل سرمائے میں سے مال نکالنا اور خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت اور ان کے شادی، بیاہ کے جائز اخراجات آسانی سے پورے کئے جاسکتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں کاروبار پر بھی کوئی منفی اثر نہیں پڑتا۔

بچت کے ذریعے انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کی تیاری کرنا آسان ہوجاتا ہے، یا کسی مجاہد کو تیار کرسکتا ہے یا کسی مجاہد کے اہل وعیال کے اخراجات برداشت کرسکتا ہے جو بہت بڑا ثواب کا کام ہے۔

اگر انسان بچت کرے تو وہ اس کے ذریعے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی قرضِ حسنہ سے مدد کرسکتا ہے تاکہ وہ سودی قرض سے بچ جائیں، اپنی ضروریات پوری کریں یا اس سے سرمایہ کاری کرکے اپنی معاشی حالت کو بہتر بناسکیں۔

بچت کے ذریعے انسان مزید کاروبار کرکے یا کسی جائز کاروباز میں بطورِ شرکت یا مضاربت کے لگا کر اپنے ملک وقوم کی معاشی حالت کو بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے، اس لئے تمام تاجروں اور کاروباری حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی تجارت اور کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع کو فضول ولایعنی کاموں میں خرچ کرنے اور عیاشیوں میں اڑانے کی بجائے اسے پس انداز رکھیں اور اسے ایسے کاموں میں لگائیں جو ان کے لئے دنیا وآخرت میں فائدہ مند ثابت ہوں۔

Iqra Ghufran

(۲۳)......بہترین تجارت کی کوشش کرنا

ویسے تو کسی بھی جائز چیز کی تجارت شرعی احکام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کی جائے تو نہ صرف جائز بلکہ باعثِ ثواب ہے البتہ چند چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی تجارت میں پائی جانے والی مختلف خوبیوں کی وجہ سے ان کی تجارت کو افضل قرار دیا گیا ہے، چنانچہ انہیں میں سے ایک کپڑے کی تجارت ہے، حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر اہلِ جنت کو تجارت کا موقع ملے اور انہیں اس کی اجازت دی جائے تو وہ کپڑے اور عطر کی تجارت کرتے'' (مجمع الزوائد، باب الکسب والتجارۃ ج۴ص۶۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

''اگر جنت میں تجارت ہوتی تو وہ کپڑے بیچتے'' (کنز العمال ج۴ص۳۳، حدیث نمبر ۹۳۶۱)

ایک روایت میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اگر جنت میں تجارت کی اجازت ہوتی تو میں کپڑے کی تجارت کا حکم دیتا'' (الفردوس بماثور الخطاب ج۳ص۳۴۱، حدیث نمبر ۵۰۳۰)

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے تین مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا آپ مجھے کس چیز کی تجارت کا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کپڑے کی تجارت کو اختیار کرو، کیونکہ کپڑے والا یہی چاہتا ہے کہ لوگ خوشحالی میں رہیں'' (کنز العمال ج۴ص۳۱، حدیث نمبر ۹۳۴۶، تاریخِ بغداد ج۱۰ص۱۵۲)

چنانچہ بہت سے صحابہ اور اکابر نے کپڑے کی تجارت کو اپنا ذریعۂ روزگار بنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے (کنز العمال ج۴ص۳۳، حدیث نمبر ۹۳۶۰)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بھی کپڑے کا کاروبار تھا جو ملک شام تک پھیلا ہوا تھا، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے کپڑے سے زیادہ کوئی تجارت پسند نہیں (سیر اعلام النبلاء، ج۴ص۲۴۱)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ بھی کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے (تاریخِ بغداد ج۶ص۲۳۵ تذکرہ سعید بن المسیب)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنے علمی تبحر دریائے علم کے دقیق و باریک معانی میں غوطہ زنی کے باوجود ریشمی

کپڑے فروخت کر کے رزقِ حلال کماتے تھے، مشہور محدث حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، امام مالک رحمہ اللہ اپنے بھائی نضر بن انس کے ساتھ مل کر سوتی کپڑے کا کاروبار کرتے تھے (اسلام کا قانونِ تجارت ص ۳۹)

اس تجارت کے پسندیدہ ہونے اور اکابر کے کثرت سے اسے اختیار کرنے کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ اس میں اہلِ جنت کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے، جیسا کہ احادیث میں گذرا کہ اگر اہلِ جنت کو تجارت کی اجازت ہوتو وہ کپڑے کی تجارت کریں، اور اہلِ جنت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ایک مستحسن کام ہے، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ کپڑے انسان کا ستر ڈھانپنے کا ذریعہ ہے جو ایک فریضہ ہے اور کپڑے کی تجارت میں اس فریضہ کی ادائیگی میں ایک گونا تعاون ہے جو تعاون علی البر (نیکی میں تعاون) کے اندر شامل ہے، جس کا عبادت اور ثواب ہونا کسی مسلمان پر مخفی نہیں، تیسری وجہ یہ ہے کہ کپڑے کا ایک مقصد تجمل اور زینت ہے اور شرعی حدود میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کے طور پر اور دوسروں کو خوش کرنے کے لئے جمال اور زینت کو اختیار کرنا بھی ایک عبادت ہے کپڑے کی تجارت کرنے سے اس میں بھی انسان کا حصہ پڑتا ہے، ان وجوہ سے کپڑے کی تجارت کو پسند کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اکثر نیک بندوں نے اس کاروبار کو اپنے روزگار کا ذریعہ بنایا ہے۔

ماقبل میں ذکر کردہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عطر کی تجارت بھی شریعت کی نظر میں کپڑے کی تجارت کی طرح پسندیدہ تجارت ہے اس کی بھی کئی وجوہ ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے عطر کو بہت پسند فرمایا، چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھے تین چیزیں سب سے زیادہ پسند ہیں ایک عطر دوسرے نیک بیوی اور تیسرے نماز''

اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا معمول کثرت سے عطر لگانے کا تھا اور آپ نے مختلف مواقع میں عطر لگانے کی ترغیب بھی دی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ عطر کی خوشبو سے دوسرے شخص کا دل خوش ہوتا ہے اور کسی کے دل کو خوش کرنا بذاتِ خود ایک بڑی نیکی اور عبادت ہے، اور تیسرے اس وجہ سے کہ عطر لگانا انسان کی پاکیزگی کی علامت ہے اور شریعت کی نظر میں پاکیزگی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

سابقہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں ایسی چیز کی تجارت پسندیدہ اور باعثِ خیر و برکت ہے جس میں انسان کا دنیا کے ساتھ ساتھ دین اور آخرت کا بھی فائدہ ہو اور وہ تجارت اس کے لئے

اور دوسرے لوگوں کے لئے بہت سے دینی امور میں مددگار اور معاون ثابت ہو مثلاً دینی کتابوں کی تجارت اس میں جہاں تاجر کا مالی فائدہ ہے وہاں اس کا اور خریدار کا دینی اور اخروی فائدہ بھی ہے کہ تاجران کو بیچنے کی وجہ سے اشاعتِ دین میں مدد کر کے نیکی میں تعاون کا ثواب کما سکتا ہے، اور خریداران کا مطالعہ کر کے اپنے دین اور آخرت کو سنوار دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ بہت سے اکابر نے کتابت، خطاطی اور کتابوں کی تجارت کو اپنا مشغلہ بنایا اور اس سے اپنا گذر اوقات کیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ مسجد سے متعلقہ اشیاء صفیں، جائے نماز، اور عبادت سے متعلقہ اشیاء مثلاً مسواک، تسبیح، ٹوپی وغیرہ کی تجارت کر کے انسان دنیا کے ساتھ اپنے دین اور آخرت کو بھی درست کر سکتا ہے اور اس کے ذریعے ان شاء اللہ دنیاوی اعتبار سے بھی تجارت نفع مند ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

(جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۳۸ ''صحابیٔ رسول حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ''﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اُن کی شہادت قبول فرمالی بلکہ اُس دن سے اُن کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا...... اسی لئے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے مصاحف نقل کئے تو سورۂ احزاب کی ایک آیت (آیت نمبر ۲۳) جس کو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے نہیں پائی یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس سے ملی جن کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دے رکھا تھا۔

یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وہ واحد انصاری صحابی ہیں جو ۲۵ھ ہجری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مصحفِ قرآنی کے لکھنے پر مامور ہوئے کہ ان کے علاوہ باقی حضرات جو اس کام میں شامل تھے وہ مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ ۳۷ھ ہجری میں جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شامیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

Idara Ghufran

بسلسلہ: سہل اور قیمتی نیکیاں مولوی محمد ناصر

درود شریف پڑھنے کی فضیلت

ایک حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَوۡلَی النَّاسِ بِیۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ اَکۡثَرُهُمۡ عَلَیَّ صَلٰوةً (ترمذی، ابواب التطوع)

یعنی بے شک قیامت کے دن لوگوں میں سے سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے (ترمذی)

لہٰذا جو شخص قیامت کے روز آپ ﷺ کے قریب ہونا چاہے تو وہ آپ ﷺ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرے، اور ظاہر ہے کہ جو قیامت کے دن آپ ﷺ کے قریب ہوگا وہ قیامت کی ہولناکیوں اور قیامت کی سختیوں سے محفوظ ہوگا۔ [1]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِکَةً سَیَّاحِیۡنَ فِیۡ الۡاَرۡضِ یُبَلِّغُوۡنِیۡ مِنۡ اُمَّتِیۡ السَّلاَمَ (نسائی، کتاب السهو،

---

[1] ایک حدیث میں درود شریف کی اہمیت آپ ﷺ نے اس طرح بیان فرمائی:

مَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ عِنۡدَ قَبۡرِیۡ سَمِعۡتُهٗ وَمَنۡ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیاً اُبۡلِغۡتُهٗ (جامع صغیر ۸۸۱۲ بحواله بیهقی فی شعب الایمان)

یعنی جو شخص میرے اوپر میری قبر کے قریب درود بھیجتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے (جامع صغیر)

درود شریف پڑھنا کتنا عظیم عمل ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کے روضۂ اطہر پر جا کر درود شریف پڑھے تو آپ ﷺ خود بنفسِ نفیس سنتے ہیں۔ وقد تکلم المحدثون فی سندهذا الحدیث۔

من صلی علی عندی قبری سمعته ومن صلیٰ علی نائیا وکل الله بهاملکایبلغنی، وکفی أمر دنیاه وآخرته، و کنت له شهیدا وشفیعا (خط) من حدیث أبی هریرة ولایصح، فیه محمدبن مروان وهو السدی الصغیر، وقال العقیلی لاأصل لهذا الحدیث. (تعقب) بأن البیهقی أخرجه فی الشعب من هذاالطریق، وتابع السدی عن الأعمش فیه أبومعاویة، أخرجه أبوالشیخ فی الثواب. (قلت) وسنده جید کمانقله السخاوی عن شیخه الحافظ ابن حجر والله اعلم، وله شواهد من حدیث أبن مسعو وابن عباس وأبی هریرة، أخرجهاالبیهقی. ومن حدیث أبی بکرالصدیق أخرجه الدیلمی، ومن حدیث عمارأخرجه العقیلی من طریق علی بن قاسم الکندی. وقال: علی بن القاسم شبعی فیه نظر، لایتابع علی حدیثه انتهی. وفی لسان المیزان أن أبن حبان ذکرعلی ابن القاسم فی الثقات. وقد تابعه عبدالرحمن بن صالح و قبیصة بن عقبة. أخرجهماالطبرانی (تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة ج ۱ ص ۳۳۵)

باب السلام علی النبی ﷺ)

یعنی بے شک اللہ جل شانہٗ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو (زمین میں) پھرتے رہتے ہیں اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں (نسائی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ درود شریف جب بھی اور جہاں بھی پڑھا جاتا ہے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہے، بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ:

فرشتہ مجھ سے یہ بھی عرض کرتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس بندے پر ایک مرتبہ درود بھیجنے کے بدلے دس مرتبہ رحمت فرماتے ہیں (جامع صغیر ۲۳۶۵ بحوالہ طبرانی فی الکبیر عن عمار بن یاسر)

حضور ﷺ کے دربار میں کسی بندے کا ذکر ہونا یہ کوئی معمولی نعمت نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہو رہا ہے جس کا سبب آپ ﷺ پر درود شریف بھیجنا ہے،

بقول شخصے ؎ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

''حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ پر درود کثرت سے بھیجنا چاہتا ہوں تو میں اپنے دعاء کے اوقات میں سے کتنا وقت درود پڑھنے کے لئے مقرر کروں؟ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا جتنا تمہارا جی چاہے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایک چوتھائی؟ حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری مرضی ہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھو تو تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ نصف کر دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری مرضی ہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھو تو تمہارے لیے بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ دو تہائی کر دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا تمہاری مرضی ہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھو تو تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر تو میں اپنے سارے وقت کو آپ کے درود کے لئے مقرر کرتا ہوں، حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا تو اِس صورت میں تمہارے سارے فکروں کی کفایت کی جائے گی اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دیئے جائیں گے''

(ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض)

مطلب یہ ہے کہ حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے چوبیس گھنٹوں میں جو وقت اپنے اوراد و وظائف کے لئے مقرر کیا ہوا تھا، اس میں سے چاہتے تھے کہ کچھ وقت درود کے لئے بھی مقرر کرلیں تو آپ ﷺ کی ترغیب سے حضرت اُبیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے اوراد و وظائف کا سارا وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے لئے مقرر کرلیا، جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بدلے میں تمہاری ساری فکروں کی کفایت کی جائے گی اور تمہارے گناہ بھی معاف کردیے جائیں گے، معلوم ہوا کہ فرائض، واجبات، سننِ مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد اگر صرف درود شریف پڑھنے میں ہی باقی وقت گزار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ بہت فضیلت کی بات ہے اور ساتھ ہی ایسے بندے کو سکون کی نعمت بھی عطا کی جائے گی اور گناہ بھی معاف کردیئے جائیں گے۔

ایک حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

> جو شخص صبح اور شام مجھ پر دس دس مرتبہ درود شریف بھیجے گا اس کو قیامت کے دن میری شفاعت پہنچ کر رہے گی (جامع صغیر بحواله طبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء حدیث نمبر ۸۸۱۱)

حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی احادیث میں بعض درود شریف کے کلمات بھی بتلائے ہیں اور ساتھ ہی ان کے پڑھنے کے مختلف فضائل بھی بیان فرمائے ہیں چنانچہ ایک صحابی کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ''مجھ پر اس طرح درود پڑھا کرو،:
>
> ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَعَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ''
>
> (بخاری کتاب الانبیاء، باب یزفون (الصفات) و ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب الصلاة علی النبی ﷺ)

ترجمہ: ''یعنی اے اللہ درود بھیج محمد (ﷺ) پر اور اُن کی آل پر جیسا کہ آپ نے درود بھیجا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر اور اُن کی آل (اولاد) پر، اے اللہ بے شک آپ ہی تعریف کے قابل ہیں، بزرگ ہیں۔ اے اللہ برکت نازل فرما محمد (ﷺ) پر اور اُن کی آل (اولاد) پر

جیسا کہ برکت نازل فرمائی آپ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر اور اُن کی آل (اولاد) پر، بے شک آپ ہی تعریف کے قابل ہیں، بزرگ ہیں'' (بخاری کتاب الانبیاء، باب یزفون (الصفات) وابن ماجه كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها،باب الصلاة على النبي ﷺ)

اس درود کو ''درودِ ابراہیمی'' کہتے ہیں اور اس اس کے پڑھنے کی تعلیم کئی احادیث میں ملتی ہے اور درودوں میں سب سے افضل درود بھی ''درودِ ابراہیمی'' ہے جو نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے، اسی طرح صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ یہ بھی ایک مختصر درود ہے اور اس کے پڑھنے سے بھی درود شریف کا ثواب ہی حاصل ہوتا ہے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

جو شخص یہ چاہے کہ جب وہ ہمارے گھر والوں پر درود پڑھے تو اُس کا ثواب بہت بڑے پیمانہ میں ناپا جائے تو وہ ان الفاظ سے درود پڑھا کرے:

''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (ابوداؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد)

ترجمہ: ''اے اللہ درود بھیج محمد ﷺ پر اور آپ کی بیویوں پر جو سارے مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ کی آل اَولاد پر اور آپ کے گھرانے پر جیسا کہ آپ نے ابراہیم (علیہ السلام) پر درود بھیجا، بے شک آپ ہی تعریف کے قابل ہیں، بزرگ و برتر ہیں'' (ابوداؤد)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی امت کو یہ دعا سِکھائی کہ جو شخص یہ دُعا کرے تو اس کا ثواب ستّر فرشتوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے گا وہ دعا یہ ہے:

جَزَی اللّٰهُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا هُوَ اَهۡلُهٗ (کنز العمال ج ۲ ص ۲۳۴ حدیث نمبر ۳۹۰۰، بحوالہ طبرانی)

اے اللہ! ہم لوگوں کی طرف سے محمد (ﷺ) کو بدلہ دے، جس بدلے کے وہ مستحق ہیں۔

فرشتوں کے مشقت میں پڑنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے ایک ہزار دن کی طویل مدت تک اس کا ثواب لکھنے چلے جائیں گے۔

احادیث کی کتابوں میں صحیح اور معتبر و مستند درود شریف موجود ہیں جن کے پڑھنے پر حضور ﷺ نے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں اس لئے ان کی فضیلت میں تو کوئی شک اور شبہ نہیں لہٰذا وہ درود شریف پڑھنے

Idara Ghufran

چاہئیں جن کے کلمات آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے جاری ہوئے اور جو آپ ﷺ سے ثابت ہیں لیکن جو آپ ﷺ سے ثابت نہیں ظاہر ہے کہ ان کا وہ درجہ اور فضیلت بھی نہیں اور نہ ہی ان میں وہ خیر و برکت ہے جو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے کلمات میں ہے۔

اسی طرح درود شریف کے بارے میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اپنی طرف سے اس میں نئے طریقے اور عقیدے گھڑنا بھی صحیح نہیں، جو درود آپ ﷺ سے جس طریقے سے ثابت ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، اور اس کو چھوڑ کر اپنے گھڑے ہوئے طریقوں میں فضیلت کا قائل ہونا بہت بڑی ناعاقبت اندیشی ہے۔

لہٰذا درود شریف پڑھنے کی عادت ڈالنی چاہئے اس لئے کہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجنا بہت محرومی کی بات ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسے شخص کو بخیل فرمایا ہے جس کے سامنے آپ ﷺ کا ذکر مبارک ہو اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے (ترمذی، ابواب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی فضل التوبۃ والاستغفار وماذکر من رحمۃ اللہ لعبادہ، کنز العمال بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان ج ا ص ۵۰۸ حدیث نمبر ۲۲۴۶)

ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ بخل اور کنجوسی کیا ہوگی کہ بندہ اپنے اور پوری انسانیت کے سب سے بڑے مُحسن اور سب سے زیادہ مہربان کو بھول جائے۔

ایک دوسری حدیث میں اُس شخص پر لعنت بھیجی گئی ہے جس کے سامنے آپ ﷺ کا نامِ نامی آئے اور وہ آپ ﷺ پر درود نہ بھیجے (کنز العمال ج ۸ ص ۵۹۲، حدیث نمبر ۲۴۲۹۵ بحوالہ ابنِ نجار)

لہٰذا جب آپ ﷺ کا ذکرِ خیر ہو تو اُس وقت کم از کم ایک مرتبہ درود بھیجنا واجب ہے اس لئے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے اور حضور ﷺ پر کثرت سے چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے درود بھیجنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔

''تذکرۃ المصنفین'' المعروف بہ ''تراجم العلماء''

تالیف: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم محمد عثمان القاسمی رحمہ اللہ۔ بہ اہتمام ونگرانی: مولانا محمد امداد اللہ قاسمی

علمائے صرف، نحو، بلاغت، کلام، فقہ، اصولِ فقہ، علم الفرائض، مناظرہ، منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب، ہیئت، الجبرا، ادب عربی، تاریخ اور ادبِ فارسی کے علماء، مصنفین کا مفصل تذکرہ وتعارف

ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد پاکستان ☎ 0923-630237

بسلسلہ : آدابُ المعاشرت مفتی محمد رضوان

☏ ٹیلی فون اور موبائل فون استعمال کرنے کے آداب (قسط ۱)

اسلام ایک جامع اور مکمل مذہب ہے، جس میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ اگر چہ ٹیلی فون بہت بعد کی ایجاد ہے اور موبائل فون تو ٹیلی فون کے بھی بہت بعد کی ایجاد ہے، لیکن ٹیلی فون یا موبائل فون کے استعمال اور اس پر بات چیت کرنے کے آداب بھی اسلام کی اصولی تعلیمات سے خارج نہیں ہیں۔

اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کرنے میں جہاں دین کا فائدہ ہے وہاں دنیا کے اعتبار سے بھی راحت وسکون کا سامان ہے، اور آج کل تقریباً ہر کس وناکس کو کسی نہ کسی حیثیت سے فون سے واسطہ پڑتا ہے، لہٰذا اس سے متعلق احکامات وہدایات کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا چاہئے۔

❁ ...... فون انسان کے حق میں بڑی نعمت ہے، اس کے ذریعہ انسان دنیا وآخرت کے اعتبار سے بہت سے فوائد بھی حاصل کرسکتا ہے، اور اگر چاہے تو کئی خرابیوں میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے۔

❁ ...... فون انسان کی بہت سی ضروریات پورا کرنے میں مدد کرتا ہے، اس کے ذریعہ دوسرے سے بغیر کسی مشقت کے دین کی باتیں اور حال واحوال معلوم کئے جاسکتے ہیں، دوسرے کی خبر گیری کی جاسکتی ہے، کسی حادثہ، بیماری اور موت وزندگی کی خبر دی جاسکتی ہے، دور دراز بیٹھے ہوئے لوگوں سے ضرورت پڑنے پر رابطہ کیا جاسکتا ہے، جس غرض کے لئے پہلے زمانہ میں طویل سفر کرکے، وقت اور زرِ کثیر خرچ کرکے پہنچا جاتا تھا فون کے ذریعہ منٹوں اور سیکنڈوں میں نمبر ملا کر بغیر کسی مشقت کے بآسانی رابطہ کیا جاسکتا ہے

❁ ...... ٹیلی فون اور موبائل سیٹوں میں جو گھنٹی لگائی جائے وہ سادی ہونی چاہئے، موسیقی پر مشتمل نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ گھنٹی کا مقصد دوسرے کا آگاہ کرنا ہے جس کو دستک دینا کہتے ہیں، موسیقی کا استعمال ویسے بھی گناہ ہے، اور ٹیلی فون یا موبائل فون میں اس کا استعمال اور بھی سخت گناہ ہے، کیونکہ فون کی گھنٹی کسی بھی وقت بج جاتی ہے، خواہ کوئی تلاوت کررہا ہوں یا نماز پڑھ رہا ہو اور ذکر وعبادت میں مصروف ہو، بعض اوقات مسجد میں نماز پڑھنے کے دوران فون کی گھنٹی بج پڑتی ہے، اور ظاہر ہیکہ ان اوقات وحالات میں موسیقی کا بجنا کئی گناہوں اور خرابیوں کا باعث ہے، آجکل موسیقی کا گناہ بہت عام ہوتا جارہا ہے، پہلے زمانے میں تو موسیقی

خاص ذرائع سے سنی سنائی جاسکتی تھی، اور اب فون جیسی ضرورت کی چیزوں میں بھی موسیقی کی وباء آچکی ہے، اور ہر شخص نئی سے نئی موسیقی والی گھنٹی کی تلاش میں رہتا ہے، یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ پورے پورے گانوں کو موسیقی کی شکل میں فون کی گھنٹیوں میں نصب کر دیا گیا ہے، اور اب جوں ہی فون کی دستک آتی ہے تو دستک کے بجائے موسیقی سنائی دیتی ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی والی جگہ رحمت کے فرشتے نہیں آتے، اب جس گھر، دفتر، دوکان اور اس سے بڑھ کر انسان کے جسم کے بالکل ساتھ جیب میں موسیقی بجے گی، ظاہر ہے کہ ان سب مواقع پر انسان رحمت کے فرشتوں سے محروم رہے گا۔

بہرحال موبائل فون کے سیٹ میں وہ گھنٹی جو سادہ انداز کی ہو اور اس میں موسیقی کا عنصر شامل نہ ہو اس کا انتخاب کرنا چاہئے، آج کل فون والے اداروں کی طرف سے مختلف قسم کی موسیقی والی گھنٹیوں کے پیغام ارسال کئے جاتے رہتے ہیں، اور لوگ ہر آنے والی نئی چیز کو اختیار کرنے میں پیش پیش نظر آتے ہیں، ایسی چیزوں میں پڑ کر اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے۔

❀ ...... جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ فون کی گھنٹی کا مقصد آگاہی اور دستک دینا ہے، اور اس غرض کے لئے شرعاً قرآن مجید کی آیات مثلاً بسم اللہ، اور مبارک کلمات واذکار، مثلاً اذان، اللہ اکبر، درود شریف وغیرہ کا استعمال بھی جائز نہیں، کیونکہ یہاں مقصود ان کلمات سے اللہ کا ذکر نہیں بلکہ آگاہ کرنا اور دستک دینا ہے، اور فقہائے کرام نے اس غرض کے لئے اذکار کی ممانعت بیان فرمائی ہے۔ [1] اب جو دنیادار اور آزاد قسم کے لوگ ہیں وہ تو موسیقی والی گھنٹی لگا کر گناہ گار ہوتے ہیں اور جو دینی ذہن رکھتے ہیں وہ مبارک کلمات سے گھنٹی کا کام لے کر گناہ گار ہوتے ہیں، دونوں میں فرق اتنا ہے کہ ایک کا ظاہری رنگ گناہ کا ہے

---

[1] وکذا الغازی اذا قال کبروایثاب ،لان الحارس والقفاعی یأخذ ان اجرا،رجل جاء الی البزار لیشتری منه ثوبا فلما فتح المتاع قال سبحان الله،اوقال اللهم صل علی محمد،ان ارادا بذالک اعلام المشتری جودة ثیابه ومتاعه کره انتهیٰ(الاشباه والنظائر)

(وفی شرح الحموی)واما بالنسبة الی الحارس فلان علة الاثم فیه لیست اخذالاجر بل اعلامه بالذکر انه مستیقظ کمااعترف هوبه(شرح الحموی ،القاعدة الثانیة الاموربمقاصدها ج ۱ ص ۱۰۴)

بخلاف الاول فانه استعمله آلة للاعلام ونحوه،اذاقال الداخل یاالله مثلاً لیعلم الجلوس بمجیئه لهیؤوا له محلا ویؤقروه واذاقال الحارس لااله الاالله ونحوه لیعلم باستیقاظه فلم یکن المقصود الذکر(ردالمحتار ج۵ ص ۳۰۶، کتاب الحظر والاباحة،بعد فصل البیع ،فصل یکره اعطاء سائل المسجدالااذالم یتخط رقاب الناس)

من جاء الی تاجر یشتری منه ثوبا فلما فتح التاجرالثوب ،سبح الله تعالیٰ وصلی علی النبی ﷺ اراد به اعلام المشتری جودة ثوبه فذالک مکروه کذافی المحیط(هندیه ج۵ ص ۳۸۹)

اور دوسرے کا ظاہری رنگ دین کا۔لہٰذا اگر ایک طرف فون کی گھنٹیوں میں موسیقی کا استعمال گناہ ہے، دوسری طرف مبارک کلمات کا استعمال بھی منع ہے، اعتدال کا راستہ یہ ہے کہ نہ تو فون میں موسیقی لگائی جائے اور نہ ہی مبارک کلمات لگائے جائیں، ان دونوں کے بجائے اعتدال کا راستہ اختیار کرتے ہوئے سادہ گھنٹی جس میں موسیقی کا عنصر شامل نہ ہو لگائی جائے، یا وائبریشن لگالیا جائے جس میں آواز کے بجائے تھرتھراہٹ ہوتی ہے، رہا ذکر واذکار کا معاملہ تو اس سے کون منع کرتا ہے، جتنا اور جس وقت چاہیں اپنی زبان سے کریں، یہ کیا کہ خود تو ذکر کریں گے نہیں اور فون سے ذکر واذکار کا کام لینا چاہتے ہیں، موبائل فون تو ویسے بھی انسان کے ساتھ رہتا ہے اگر اس میں مبارک کلمات والی ٹون لگی ہوگی تو بیت الخلاء یا ایسی جگہ بھی فون آسکتا ہے جہاں ذکر واذکار کی ممانعت ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ فون پر کوئی غیر شرعی بات کی جائے، اس صورت میں اس بات کا آغاز اللہ تعالیٰ کے نام اور مبارک کلمات سے کرنا لازم آئے گا (نعوذ باللہ تعالیٰ)

❀ ......بہتر ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے جیب میں موجود موبائل فون کو بند ہی کردیا جائے، تا کہ نماز کے دوران فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے خلل واقع نہ ہو، اور کسی سخت مجبوری کی وجہ سے کھلا رکھنا ضروری ہو اور آپ باجماعت نماز پڑھ رہے ہوں یا مسجد میں نماز پڑھ رہے ہوں جہاں دوسرے لوگ بھی اپنی عبادت ونماز میں مصروف ہوں تو ایسی مجبوری میں وائبریشن لگالیا جائے، تا کہ آپ کی خاطر دوسرے لوگوں کی عبادت ونماز میں خلل نہ آئے، اگر بالفرض نماز شروع کرنے سے پہلے موبائل فون بند کرنا یاد نہ رہے اور نماز کے دوران موبائل فون کی گھنٹی بج پڑے تو اگر نماز میں زیادہ خلل واقع نہ ہو مثلاً آواز ہلکی ہو یا تھوڑی دیر میں بج کر بند ہو جائے تو اسے بند کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر گھنٹی مسلسل بجتے رہنے کی وجہ سے سخت تشویش ہو رہی ہو خاص طور پر جبکہ دوسرے لوگوں کو بھی تشویش ہو رہی ہو مثلاً باجماعت نماز اور مسجد میں یہ حالت پیش آئے اور اوپر سے فون کی گھنٹی موسیقی پر مشتمل ہو تو نماز کے دوران ہی عملِ کثیر کئے بغیر اس کو بند کردینا چاہیئے، ورنہ اپنے آپ کو بھی تشویش ہوگی اور وہاں پر موجود دوسرے نمازیوں کو بھی، اور موسیقی والی گھنٹی ہونے کی صورت میں مسجد کی بے احترامی بھی لازم آئے گی، اور اگر بالفرض عملِ کثیر کئے بغیر گھنٹی بند نہ کی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں جبکہ دوسرے نمازیوں کو فون کی گھنٹی مسلسل بجتے رہنے کی وجہ سے خلل واقع ہو رہا ہو اور موسیقی کی آواز سے مسجد کی بے احترامی لازم آرہی ہو تو عملِ کثیر کر کے اس کو بند کرنا چاہیئے، اور از سرِ نو نماز پڑھنی چاہیئے (**کذا یفهم التفصیل بالاصول**)

(جاری ہے............)

بسلسلہ : اصلاح وتزکیہ محمد رضوان صاحب

بزرگی کے انتخاب اور معیار میں غلطیاں

آج کل بزرگی کے معیار وانتخاب میں بڑی ناواقفیت وجہالت پائی جاتی ہے، جس میں ذرا کوئی شعبدہ بازی دیکھی فوراً اس کو بزرگ سمجھ لیا، حالانکہ بزرگی کا حقیقی معیار شریعت کی اتباع ہے، لیکن آج کل جو سراسر شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرے اور ایسی حرکات میں مبتلا ہو جو اسلام میں جائز بھی نہیں، ان چیزوں کو بزرگیت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا۔

جاہل اور ناواقف لوگوں نے جو بزرگی کے مختلف معیار گھڑ رکھے ہیں اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

✪ ''جیسے کشف کہ بعض نے اسی کو اتباع کا معیار بنایا اور ہر صاحبِ کشف (یعنی کشف ہونے والے شخص) کو بزرگ ،قابلِ اتباع سمجھا، بعض نے معیار بنایا کرامت کو، بعض نے وجد (جھومنے، کودنے) وسماع (قوالی وغیرہ سننے) کو، بعض نے حرارت (گرمی) کو (کہ) جس کے اندر حرارت (گرمی) زیادہ ہو اور بہت روتا ہو وہ بزرگ ہے، بعض نے معیار بنایا، تصرفات کو کہ ایک نظر اٹھا کر دیکھا اور مدہوش کر دیا تو سمجھے کہ یہ بڑا بزرگ ہے اور بعض نے معیار بنایا تجرد (لوگوں سے الگ تھلگ رہنے) کو، گو (اگرچہ) بعض حالتوں میں اس (یعنی الگ تھلگ رہنے) کی اجازت ہے مگر یہ (بزرگی کا) معیار تو نہیں، بعضوں نے معیار بنایا تُند مزاجی کو، چنانچہ سب سے زیادہ اُس کے معتقد ہوتے ہیں جو پتھر ڈھیلے مارے۔ وہ تو ان پر ظلم کرتے ہیں اور یہ ان کے معتقد ہوتے ہیں اور جو گالیاں دیتے ہیں یہ ان کو بھی کہتے ہیں کہ مجذوب ہیں کیونکہ صاحبِ کشف ہیں، سو کشف ان کے نزدیک بڑا کمال ہے۔ حالانکہ کشف مجنونوں کو بھی ہوتا ہے، چنانچہ میرے ہاں (یعنی میرے علاقہ میں) ایک عورت کو جنون ہوا تو اس کو کشف ہوتا تھا مگر جب مسہل (دست آور نسخہ) دیا گیا تو اس کے ساتھ ہی کشف بھی ختم ہو گیا۔ شرحِ اسباب (طب کی مشہور کتاب) میں لکھا ہے کہ مالیخولیا (دماغ کی خطرناک بیماری) کے مرض میں کشف ہونے لگتا ہے۔ پس کشف کوئی کمال کی بات نہیں۔ خلاصہ یہ کہ لوگ ایسوں کے معتقد

ہوتے ہیں جو کہ گالیاں دیتے ہیں، میں نے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ فلاں بزرگ اگر گالیاں نہ دیں تو کام نہیں ہوتا۔ سو انہیں خود تمنا ہوتی ہے کہ ہمیں گالیاں دیں جیسا ہمارے ہاں ایک عورت نے جس کے اولاد نہ جیتی (زندہ رہتی) تھی نذر (منت) مانی تھی کہ اگر میرے لڑکا ہوا اور وہ لڑکا ماں کی گالی کھا کر آئے تو پانچ روپے کی شیرینی تقسیم کروں۔ تو جیسے وہ احمق لڑکے کی گالی کھانے سے خوش ہوئی تھی ایسے ہی یہ مَرد بھی گالیاں کھا کر خوش ہوتے ہیں اور ایک وہ حضرت ہیں کہ گالیاں دے کر بھی حضرت رہے اور میں نے بعض لوگوں کو خود ہی کہتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں مجذوب جب سے نرم ہو گئے (اور گالی گلوچ کرنا چھوڑ دیا اس وقت سے) کام ہی نہیں ہوتے۔

غرض (جاہل اور ناواقف لوگوں نے) بزرگی کے معیار عجیب وغریب قائم (مقرر) کر رکھے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کو خبر نہیں کہ بزرگی کیا چیز ہے، اس فن کو جانتے ہی نہیں اور یہ لوگ تو کیا اکثر اہلِ علم بھی نہیں جانتے کہ بزرگی کیا چیز ہے، میں نے اہلِ علم کو بھی دیکھا ہے کہ اکثر ایسوں کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک بزرگی کا یہ معیار ہے کہ وہ ان گھڑت (بے سروپا) باتیں بکیں۔ ہمارے ہاں ایک شخص تھا اس سے اکثر سٹّے (جوے) والے پوچھنے جاتے تھے کہ ہم جیتیں گے یا ہاریں گے وہ اس کے جواب میں بڑبڑانے لگتا، ان لوگوں نے کچھ اصطلاح مقرر کر رکھی تھی اس اصطلاح (نشانی اور علامت) کے موافق اس کی بکواس سے اپنا جواب سمجھ لیتے تھے۔ یہ حال ہے لوگوں کے اعتقاد کا، کہ کوئی شخص صوفی بن جائے پھر اس کی ہر بات بزرگی ہو جاتی ہے، خاموش رہیں تو خاموش شاہ (چُپ شاہ) کہلائیں گے اور گالیاں دیں اور خلافِ شریعت کریں تو مجذوب کہلائیں، ایک دفعہ بزرگی کی رجسٹری ہو جانی چاہئے پھر وہ ایسی پختہ ہو جاتی ہے، جیسے بی بی تمیزہ کا وضو مشہور ہے، کہ بی بی تمیزہ نام کی ایک فاحشہ (بدکار) عورت تھی ایک بزرگ نے اسے نصیحت کی اور وضو کرا کے نماز پڑھوائی اور تاکید کر دی کہ ہمیشہ اسی طرح پڑھا کرنا۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ ایک مدت کے بعد وہ پھر ان کو کہیں ملی تو انہوں نے اس سے دریافت کیا کہ نماز پڑھا کرتی ہو اس نے کہا کہ جی ہاں پڑھا کرتی ہوں، انہوں نے کہا اور وضو بھی کیا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ وضو اس روز آپ نے کرا نہیں دیا

تھا۔ سوجیسا اس کا ایسا وضو پکا تھا کہ نہ بدکاری سے ٹوٹا، نہ ہگنے (پاخانہ کرنے) سے نہ موتنے (پیشاب کرنے) سے، آج کل کی بزرگی بھی ایسی ہی پختہ ہے کہ اس میں کسی طرح خلل ہی نہیں آتا، حتّٰی کہ اگر نماز بھی نہ پڑھیں تب بھی بزرگ ہیں، ایک شخص نے اپنے پیر کی نسبت (متعلق) کہا تھا جو کہ نماز نہیں پڑھتے تھے کہ وہ مکہ میں جا کر نماز پڑھا کرتے ہیں، غرض ایک مرتبہ جس سے اعتقاد ہو گیا پھر خلل نہیں پڑتا، ہاں ایک صورت سے خلل پڑتا ہے کہ شریعت کی بات بتلانے لگے، اگر ایسا کرے تو کہتے ہیں کہ میاں یہ تو نرا ملاّ ہے۔ اور جو شریعت کے خلاف کرے تو اس کو سمندر کہتے ہیں کہ اس کو کوئی معصیت (گناہ کی بات) گندہ نہیں کرسکتی۔ یہ تو سمندر ہے، سمندر میں چاہے کتنی ہی نجاست پڑ جاوے اس کو ناپاک تھوڑا ہی کرسکتی ہے۔ لیکن اگر سمندر پیشاب ہی کا ہو تو کیا تب بھی وہ پاک ہوگا؟ سو یہ حضرت تو سر سے پیر تک گوہ (پاخانہ) ہی میں بھرے ہوئے ہیں۔ ایک پیر صاحب اپنی مریدنی کا گانا سن رہے تھے، گانا سنتے سنتے آپ کو مستی سوار ہوئی اور تخلیہ (علیٰحدگی) میں لے جا کر اس کے ساتھ منہ کالا کیا اور وہاں سے باہر آ کر فرماتے کیا ہیں کہ جب آ گیا جوش نہ رہا ہوش، مگر (یہ منہ کالا کرنے والے پیر صاحب) مریدوں کے نزدیک پھر بھی بزرگ ہی رہے، سبحان اللہ! کیا اچھی بزرگی ہے، کہ چاہے کیسا ہی کام کرلیں مگر پھر بزرگ کے بزرگ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے وہ درگت بنائی کہ یا تو اتباع ہی نہ تھا اگر ہوا تو بلا معیار ہوا۔ اوّل اتباع کی شکایت تھی پھر جب اتباع ہوا تو ایسا کہ اس کا کوئی صحیح معیار ہی نہیں سو یہ وہ قصہ ہوا کہ:

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

(وعظ اتباع المنیب ص۳۱ تا ۳۳، مطبوعہ دفتر الابقاء، کراچی و اشرف الجواب ص۲۲۵، ۲۲۶)

✪ ”صاحبو! بزرگی کا حقیقی معیار یہ ہے کہ جتنی درویشی میں ترقی ہوجائے، حضور ﷺ سے مشابہت بڑھتی جائے، کیونکہ ولایت مستفاد من النبوۃ ہے (یعنی ولی ہونا نبوت کے فیض سے ہی حاصل ہوتا ہے) افسوس ہے کہ یہ لوگ علماء کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اس لئے بہت سی غلطیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، چنانچہ بزرگی کا ایک معیار یہ بھی تراش رکھا ہے کہ جو شخص آنکھیں چار ہوتے ہی (یعنی دونوں طرف کی آنکھیں ملتے ہی) مدہوش کردے، اٹھا کر زمین پر پٹک

دے، وہ بڑا بزرگ ہے، حالانکہ یہ بالکل ہی لغو (اورفضول) ہے، اگر یہ بزرگی ہے تو حضور ﷺ کوتو ضرور اس کو برتنا (اوراستعمال کرنا) چاہئے تھا، پھر کیا وجہ کہ جب کفار نے آپ ﷺ کوقتل کرنا چاہا تو آپ ﷺ اس کے منتظر رہے کہ یہ لوگ غافل ہوجائیں تو میں نکل کر جاؤں، کیوں آپ ﷺ نے ایک ہی نگاہ میں سب کو مدہوش نہیں کر دیا'' (اسلام اور زندگی یعنی الرفیق فی سواء الطریق حصہ اول ص ۱۰۴ و ۱۰۵، مطبوعہ کتب خانہ جمیلی، لاہور)

✪ ''آج کل بھی ایسے لوگوں کو جو کھانا چھوڑ دیں پانی چھوڑ دیں بہت بزرگ سمجھا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر پانی یا کھانے کے چھوڑنے پر بزرگی کا مدار (اور بنیاد) ہے تو سُرسری (گندم اور چاول میں پیدا ہونے والا چھوٹا کیڑا) اور سانڈا جو ایسے جانور ہیں بہت بزرگ ہیں، کیونکہ سرسری پانی بالکل نہیں پیتی اور سانڈا نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے صرف ہوا اس کی غذا ہے۔

صاحبو! بزرگی تو وہ چیز ہے ؎

میانِ عاشق ومعشوق رمزیست کراماً کاتبین راہم خبر نیست

(عاشق ومعشوق کے درمیان وہ چھپے ہوئے راز ہیں کہ بعض اوقات کراماً کاتبین جیسے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی)

یعنی بزرگی نسبت مع اللہ (اللہ سے تعلق قائم کرنے) کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا، البتہ اس کی ظاہری علامت (پہچان) یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ تمام افعال، اقوال، حرکات میں تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور ﷺ کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح آپس کے برتاؤ، روزمرّہ کی باتوں میں، سونے میں، جاگنے میں، غرض ہر ہر بات میں حضور ﷺ کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہوجائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں تو بزرگی اور نسبت کی علامت (اور پہچان) یہ ہے'' (اسلام اور زندگی، یعنی الرفیق فی سواء الطریق حصہ اول ص ۱۲۱ و ۱۲۲)

✪ ''افسوس آج اسی کو کمال سمجھا جاتا ہے، اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بزرگ ہیں، دیکھئے! اولاد کو منہ بھی نہیں لگاتے، بیوی تک کو نہیں پوچھتے، ہروقت قُرب ِخداوندی میں غرق رہتے ہیں۔

صاحبو! کیا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے بھی قُرب (نیکی) میں زیادہ ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں، پھر دیکھ لیجئے حضور ﷺ کی حالت کیا تھی، آپ ازواجِ مطہرات کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے، اولاد کے حقوق بھی ادا فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما میں سے ایک کو پیار کررہے تھے اور ایک نجد کے رئیس پاس بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے دیکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے دس بیٹے ہیں، میں نے تو آج تک کسی ایک کو بھی کبھی پیار نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ نے تیرے دل میں سے رحم نکال لیا ہو تو اس کو میں کیا کروں؟ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَاوَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَافَلَیْسَ مِنَّا'' (جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے وہ، ہم میں سے نہیں ہے، ترمذی)

اس واقعہ سے پورا اندازہ حضور ﷺ کی حالت اور مرضی کا ہوگیا ہوگا، پس یہ جوش اور مستی یا ترکِ تعلقاتِ واجبۃ الابقاء (یعنی جن تعلقات کو باقی رکھنا واجب ہے ان کو ترک کرنا) بزرگی نہیں ہوسکتا ہے اور اگر اسی کا نام بزرگی ہے، تو نشۂ شراب اور حالتِ جنون میں بھی بزرگی ہے کیونکہ ان دونوں میں یہ بات خوب حاصل ہوجاتی ہے (کہ ان حالتوں میں انسان کسی کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا) (اسلام اور زندگی یعنی الرفیق فی سواء الطریق حصہ اول ص۱۰۴، مطبوعہ کتب خانہ جمیلی، لاہور)

✪ ''اس کے ساتھ ہی یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ انتخاب جو کیا جائے تو کس معیار پر کیا جائے کیونکہ آج کل عوامُ الناس نے عجیب وغریب معیار تراش رکھے ہیں مثلاً اگر کسی شخص کا دربار نہایت عالی (اونچا) ہو، لوگوں کی آمدورفت اس کی طرف زیادہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بزرگ ہے۔ خصوصاً اگر اُمراء اور رؤساء (امیروں وزیروں) کی جماعت بھی ادھر مائل ہو تب تو گویا ان کی بزرگی پر رجسٹری ہوگئی حالانکہ میں نے ایک نہایت کامل اور ماہرِ فن جامعِ شریعت وطریقت شیخ سے سنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس درویش کے پاس زیادہ تر دنیاداروں کا ہجوم ہو اور علماء وصلحاء کا ہجوم کم ہو تو تم ادھر متوجہ نہ ہو کیونکہ دنیاداروں کا گرنا اور دینداروں کا پرہیز اس درویش کے نقص (ناقص ہونے) کی دلیل ہے اس لئے کہ اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْسِ (ہر جنس اپنے ہم جنس پر جھکتی ہے) کبوتر با کبوتر باز با باز (کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے

ساتھ ہوا کرتا ہے) تو وہ درویش بھی دنیادار ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک معیارِ بزرگی اس کے علاوہ ایک اور دوسرا امر ہے اور وہ اِس سے ذرا دقیق (باریک) ہے وہ یہ ہے کہ اکثر کم سمجھ یوں سمجھتے ہیں کہ جس شخص میں کشف وکرامات زیادہ ہوں خوارق (خلافِ عادت باتوں) کا صدور اس سے زیادہ ہوتا ہو وہ سب سے بڑا بزرگ ہے حالانکہ یہ معیار بھی بالکل لغو ہے، کیونکہ کشف وکرامات کا صدور کثرتِ ریاضت ومشاقی وصحتِ قوائے جسمانی ونفسانی پر موقوف ہے (یعنی کشف وکرامات کا ہونا ان باتوں پر موقوف ہے کہ ریاضت ومحنت اور مشق کثرت سے کی جائے اور جسمانی ونفسانی قوتیں صحیح سالم ہوں) جس میں سب باتیں جمع ہوں گی ۔اسے کشف ہونے لگے گا۔اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ایسے واقعات بکثرت سننے میں آئے اور نہ بھی سنتے تب بھی یہ بات ظاہر تھی دیکھو دجال جو کہ مدعی الوہیت (خدائی کا دعویدار) ہوگا، کیسے کیسے شعبدے (انوکھے کرتب) اس سے ظہور پذیر ہوں گے ۔بارش تک کر کے دکھادے گا زمین کے خزانے اس کے ہمراہ چلیں گے۔پس ظاہر ہوا کہ خوارق (خلافِ عادت اور اچھنبی باتوں) کا صدور بھی صحیح معیار نہیں اب صحیح معیار دریافت کرنے کے لئے اوّل یہ سمجھو کہ انسان کے لئے سب سے بڑا کمال اس کی وہ حالت ہے جس کے لئے اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کشف وکرامت کے لئے انسان کو دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔کیونکہ اگر یہ مقصو ہوتا تو دنیا میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، عالمِ ارواح میں اس پر بہت کچھ منکشف (ظاہر) تھا۔نیز مرنے کے بعد کافر تک کو بہت سے مغیبات منکشف (غیبی چیزیں ظاہر) ہو جائیں گے ارشاد ہے۔**وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ**'' (اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کافروں پر وہ باتیں ظاہر ہونگی جن کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے) (اسلام اور زندگی ،یعنی الرفیق فی سواء الطریق حصہ دوم ص ۱۳۱،۱۳۲)

معلوم ہوا کہ کسی سے خلافِ عادت اور اچھنبی باتوں کا سرزد ہونا بزرگی کی دلیل نہیں ،اصل بزرگی کی دلیل شریعت پر چلنا اور شریعت کے احکام کی پوری طرح اتباع کرنا ہے،ظاہری احکام کی بھی ،اور باطنی احکام کی بھی ،جس میں یہ بات ہو، وہ بزرگ ہے خواہ کوئی کشف وکرامت اس میں نہ ہو،اور اگر یہ چیز نہیں تو نرا دھوکا ہے، دجال میں ظاہری کشف وکرامات والی چیزیں ساری ہوں گی ،مگر شریعت کی اتباع نہ ہوگی ،اس لئے وہ بزرگ نہیں ہوگا، بلکہ کافر ہوگا۔

بسلسلہ : اصلاحُ العلماء والمدارس ترتیب: مفتی محمد رضوان

❖ عالِم کے لئے مروجہ سیاست دانی ضروری نہیں

(تعلیماتِ حکیم الامت کی روشنی میں)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا:

''سیاست کے دو حصے ہیں ایک سیاست کے احکامِ شرعیہ یہ بے شک شریعت کا جزو ہے اورکوئی عالم اس سے ناواقف نہیں، چنانچہ ابوابِ فقہیہ میں سے کتاب السیر ایک مستقل اورمبسوط (مفصل) جزو ہے جس کی درس وتدریس پر (دینی مدارس میں) دوام والتزام (ہمیشگی اور پابندی) ہے اور دوسرا حصہ سیاست کا اس کی تدابیرِ تجربیہ (تجربے کی تدبیریں یعنی عملی کام) ہیں جو ہر زمانے میں حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل سے بدلتی رہتی ہیں اور یہ حصہ شریعت کا جزو نہیں اور علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری نہیں اگر اس میں کوئی عالم ماہر ہو اس کی مہارت کے دوسرے ذرائع ہیں جن کا حاصل تجربہ ومناسبتِ خاصہ ہے لیکن اوپر جو عرض کیا گیا کہ سیاست کا یہ حصہ یعنی تدابیرِ تجربیہ شریعت کا جزو نہیں اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ حصہ شریعت سے مستغنی ہے اور اس کے استعمال کرنے والوں کو علماءِ شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں، اگر کسی کا ایسا خیال ہے تو محض غلط ہے کوئی واقعہ اور کوئی عمل اور کوئی تجویز اور کوئی رائے دنیا میں ایسی نہیں جس کے جواز وعدمِ جواز (یعنی اس کے جائز وناجائز ہونے) میں شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو گو (اگرچہ) وہ شریعت کا جزو نہ ہو تو جزو نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا'' (البدائع ص۵۲، بدیعہ نمبر۱۰)

حکیم الامت رحمہ اللہ نے یہاں ایک بہت بڑا شریعت کا قاعدہ بیان فرمادیا، جس کے ذریعہ بہت سے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے، اور کئی شکوک وشبہات کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ سیاست اور اسی طرح دوسرے شعبوں مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت، طب وحکمت کے دو حصے ہیں، ایک حصہ احکامِ شرعیہ کا ہے اور دوسرا حصہ تدابیرِ تجربیہ کا ہے، پہلے حصہ کا تعلق براہِ راست شریعت سے ہے اور اس حصہ سے اہلِ علم اچھی طرح واقف ہوتے ہیں، چنانچہ درسِ نظامی میں سیاست کے شرعی احکام، تجارت

وملازمت کے شرعی احکام، اور زراعت کے شرعی احکام، اوراسی طرح طب وحکمت کے شرعی احکام کی تعلیم دی جاتی ہے، ان شعبوں کے حلال وحرام جائز وناجائز ہونے کے بنیادی احکام کا علم سکھایا جاتا ہے، رہا دوسرا حصہ یعنی جوطریقے تجربہ اورمہارت سے یازمانے اورحالات وواقعات کے بدلنے یا جدید آلات پیدا ہونے سے وجود میں آتے ہیں، یہ شریعت کا جز نہیں اس لئے یہ بذاتِ خود شرعی احکام نہیں، لہٰذا ان چیزوں میں علماء کا ماہر ہونا ضروری نہیں، لیکن باوجودیکہ یہ حصہ شریعت کا جز نہیں، مگر پھر بھی اس حصہ کا شریعت کے تابع ہونا ضروری ہے، اوراس کے لئے ضروری ہے کہ ہرشعبہ والے اس حصہ کو علماء کے سامنے رکھ کر معلوم کریں کہ یہ شریعت کے خلاف تو نہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

''سیاست دانی مولویت کے لئے شرط (ولازم) نہیں، اگرکسی مولوی کواس سے مناسبت (لگاؤ اورتعلق) نہ ہوتواس سے اس کی مولویت میں کچھ فرق نہیں آتا، یہ مناسبت الگ چیز ہے حتیٰ کہ نبوت تک کے لئے بھی (سیاست دانی) لازم نہیں'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر۱۰ص۲۱۷، ملفوظ نمبر۱۳۱)

معلوم ہوا کہ عالمِ دین کے لئے سیاست میں عملی طور پر حصہ لینا اور سیاست کے تجربہ سے متعلق امور کا علم ہونا ضروری نہیں، اگر کسی عالمِ دین کو سیاست کے معاملات سے مناسبت نہ ہوتواس کی وجہ سے اس کے عالمِ دین ہونے کے منصب میں خلل نہیں آتا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علماء دراصل انبیاء کے وارث ہیں اور جب نبوت کے لئے بھی سیاست لازم نہیں تو نبی کے کے وارث کے لئے کیسے ضروری ہوسکتی ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''نبوت اوراسی طرح مولویت کے لئے سیاست کو لازمی قرار دینا جیسے نقلاً باطل ہے اسی طرح عقلاً مذموم (بُرا) ہے اور علماء پر یہ اعتراض کہ وہ سیاسیات میں کیوں شرکت نہیں کرتے شرعی اورتمدنی دونوں حیثیت سے لغو ہے اور افسوس ہے کہ علماء کے لئے سیاسیات میں شرکت تو ضروری قرار دی جاتی ہے مگر جوکام کہ علماء کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے وہ کام علماء سے لیا نہیں جاتا اوروہ کام یہ ہے کہ قانونِ شریعت میں حق تعالیٰ کے اوامرونواہی (کرنے اور چھوڑنے کے احکام) کا تعلق جیسے عبادات سے ہے اسی طرح سیاسیات سے بھی ہے اورجیسے

عبادات کے اندر بعض اُمور جائز ہیں اور بعض ناجائز مثلاً نماز فرض ہے مگر بلا وضو سجدہ کرنا حرام ہے اسی طرح سیاسیات کے اندر بعض اُمور (بعض چیزیں) جائز ہیں ،بعض ناجائز، تو جو لوگ سیاسیات میں مشغول ہیں اُن پر یہ ضروری ہے کہ جب وہ (سیاست سے متعلق) کوئی نیا کام کریں (مثلاً کوئی قانون سازی کریں) تو اوّل علماء سے استفتاء لے لیا (فتویٰ طلب کرلیا) کریں کہ یہ کام مذہب کے تو خلاف نہیں۔ پھر جب کہ علماء سے ایسا استفتاء (فتویٰ طلب) کیا جائے تو اب علماء کا کام یہ ہے کہ مذہبی کتابوں میں غور وفکر کر کے ان جزئیات کا حکم معلوم کریں اوران استفتوں (اور مسئلوں) کا جواب دیں تا کہ جو تدابیر سیاسی جائز ہوں ان پرعمل کیا جاسکے اور جو تدابیر سیاسی خدااوررسول ﷺ کے حکم کے خلاف ہوں ان سے بچا جاسکے‘‘ (ملفوظات الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ جلد نمبر ۹ ص ۱۷، ملفوظ نمبر ۱۰۰)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے بہت مؤثر انداز میں اس شبہ کا جواب دے دیا ہے کہ عالمِ دین کے لئے سیاست کو ضروری سمجھنا نقل اور عقل دونوں کے رو سے غلط ہے،علماء کا اصل منصب تو یہ ہے کہ اُن سے ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنے حلال وحرام اور جائز وناجائز کے مسائل معلوم کریں، یہاں تک کہ سیاست کے شعبہ والے بھی اپنے سیاسی کاموں سے متعلق پہلے علماء سے ان کا شرعی حکم معلوم کرلیا کریں، یہ ایسا طریقہ ہے کہ اس پرعمل کرنے سے علماء کا اصل منصب اور ذمہ داری بھی متأثر نہیں ہوگی اور سیاست و دیگر شعبوں میں بھی دین پہنچ جائے گا اور اس طرح علمائے کرام بھی سیاست سمیت دوسرے شعبوں میں خدمات انجام دینے والے بن جائیں گے،تو علمائے کرام کے سیاست اور دوسرے شعبوں میں شریک ہونے اور حصہ لینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ وہ سیاست دانوں کو شرعی احکام اور اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات سے آگاہ کرتے رہیں،اور سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے اور شامل ہونے کو علماء کے لئے ضروری سمجھنا تو ایسا ہے جیسا کہ علمائے کرام سے تجارت وملازمت اور زراعت کے مسائل معلوم کرنے کے بجائے خود علماء کو ہی تجارت ، ملازمت اور زراعت وغیرہ کے شعبوں میں عملی طور پر شریک کرلیا جائے ، ظاہر ہے کہ علمائے کرام کے ان شعبوں میں شریک ہونے سے دین کا نقصان ہوگا اور علماء اپنا اصل کام انجام نہیں دے سکیں گے،اسی طرح مروجہ سیاست میں عملی طور پر شریک ہونے کے بعد علمائے کرام کے اپنے اصل کام یعنی خالص علمِ دین کی خدمت انجام دینے میں خلل آئے گا ﴿بقیہ صفحہ ۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علم کے مینار

محمد امجد حسین صاحب

مسلمانوں کے علمی کارناموں و کاوشوں پر مشتمل سلسلہ

ہر چہ گیرد علّتی ......(قسط ۵)

خواہش تو یہ تھی کہ مسلمانوں کے علمی کارناموں کی یہ دلربا اور شوق افزاء داستان عہد صحابہ کے علمی حلقوں اور تعلیمی درس گاہوں سے شروع کر کے زمانی و مکانی ترتیب پر تحریر کرتے ہوئے اپنے خطہ برصغیر کے دینی مدارس اور درسِ نظامی کے نصاب پر ختم کی جائے۔ لیکن اس جاری مضمون کے سیاق وسباق اور اس خطے کے اعتبار سے جدید وقدیم کا موازنہ جو اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے اس کی مناسبت سے اولاً برصغیر کی اسلامی علمی تاریخ کا اختصار پیش کیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہندوستان کے آٹھ سو سالہ علمی تحریکات اور اداروں کے کام اور خدمات کی روداد سہولت کے لئے ان کی تاریخی درجہ بندی کر کے بیان کرنا مناسب ہوگا۔

نصابِ تعلیم و نظامِ درس کے لحاظ سے برصغیر کے تعلیمی سلسلوں کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

پہلا مرحلہ یہاں اسلامی حکومت کے ابتدائی زمانے ساتویں صدی ہجری سے لے کو نویں صدی ہجری تک لگ بھگ تین سو سال کا عرصہ ہے، اس عرصہ میں درج ذیل علوم وفنون پر اسلامی نصاب تعلیم استوار تھا اور انہی کی کماحقہ تحصیل فضیلت کا معیار سمجھی جاتی تھی:

صرف، نحو، لغت، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ، علمِ کلام، تصوف، تفسیر اور حدیث

اس زمانے میں دو چیزیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں، عالمِ دین بننے اور علم وفضل میں کمال وتبحر حاصل کرنے کے لئے فقہ اور اصولِ فقہ میں زیادہ سے زیادہ مہارت معیار سمجھی جاتی تھی اور درویشی میں تکمیل وترقی کے لئے مشائخ کاملین کی صحبت اور تصوف کی تعلیمات ومجاہدات میں انہماک اور دلچسپی لازمی وضروری تھی، اس زمانے میں مسلمان معاشرے میں نیک چلنی اور علم وعمل کا دور دورہ تھا، شریعت وطریقت کے دونوں سلسلے عوام سے لے کر خواص تک اور غریب کی جھونپڑی سے لے کر ایوانِ شاہی تک اپنا اپنا رنگ جمائے ہوئے تھے، مرکزیت کے حامل کبار مشائخ کی خانقاہیں اور اس کے بعد صوبائی وعلاقائی خانقاہوں کا شیوع دونوں اس دور سے تعلق رکھتے ہیں، شیخ معین الدین چشتی رحمہ اللہ، خواجہ بختیار کاکی رحمہ اللہ، شیخ

کبیر بابا فرید گنج شکر رحمہ اللہ (اجودھن موجودہ پاکپتن ،پنجاب) طبلِ عالم سید سلطان مظہر ولی رحمہ اللہ (جنوبی ہند) سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ (دہلی) شیخ بہاء الدین سہروردی رحمہ اللہ (ملتان) سید جلال الدین بخاری رحمہ اللہ (اچہ شریف) حضرت چراغ دہلوی رحمہ اللہ، سید گیسو دراز رحمہ اللہ (گلبرگہ شریف) شیخ حمید الدین ناگوری صوفی رحمہ اللہ، شیخ عثمان رحمہ اللہ (المعروف لال شہباز قلندر، سندھ) اور حضرت شرف الدین رحمہ اللہ (المعروف بوعلی قلندر، پانی پت) اور کشمیر میں اشاعتِ اسلام کے بانی داعیین، بابا سید بلبل شاہ رحمہ اللہ (اصلی نام شرف الدین) اور امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمہ اللہ وغیرہ مشائخ سب اسی دور کے ہیں جو اس وسیع وعریض خطہ برصغیر کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور ملتان سے گجرات، گجرات سے بنگال اور دکن سے کشمیر تک ان علمائے حقانی اور بزرگانِ دین صوفیاء ومشائخ اور قلندروں نے اسلام کی اشاعت وتوسیع کا نازک ترین مشن بحسن وخوبی سرانجام دیا اور اس ملک کا گوشہ گوشہ اسلام کے نور سے منور ہوگیا، ان کی خانقاہیں اور فرودگاہیں جہاں وعظ وارشاد اور دعوت واصلاح کی مراکز تھیں وہی تعلیم وتعلم کی درس گاہیں بھی تھیں، اس عہد میں دینی تعلیم کے نظام میں قیل وقال تکلفات اور فلسفہ ومعقولات کا زور نہ تھا جو بعد کی صدیوں میں خصوصاً مغلیہ عہد میں عمل میں آیا،[1] تصوف کی درج ذیل امہات الکتب باضابطہ پڑھی پڑھائی جاتی تھیں، قوت القلوب (طالب مکی) احیاء العلوم (غزالی) عوارف المعارف (سہروردی) کشف المحجوب (علی ہجویری) رسالہ قشیری (ابوالقاسم قشیری) مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح لوامح (قاضی حمید ناگوری) فوائد الفوائد (مرتبہ امیر حسن سجزی) (تاریخ فیروز شاہی، بحوالہ آبِ کوثر ص ٢٥٠)

یہ تو نامور مشائخ کا حال تھا اور جو نامور علماء اس عہد میں نظر آتے ہیں جن کا کام کئی جہتوں سے پھیلا ہوا ہے، ایک طرف عہدہ افتاء وقضاء پر مامور ہوکر اس نومفتوحہ اسلامی سلطنت کے شہروں، قصبوں اور علاقوں میں شریعت کے قانون واحکام کا دور دورہ کرایا اور گھر گھر میں مسائل واحکامِ شرع کی بجا آوری کا ذوق پیدا کیا، تو دوسری طرف درس وتدریس کے حلقے قائم کرکے علمِ دین کا فیضان اس ملک میں عام کردیا، اور تیسری طرف تصنیف وتالیف کرکے نومسلم ہندوستان کو علومِ اسلامی خصوصاً تفسیر، حدیث اور فقہ وفتاویٰ کے علوم سے مالا مال کردیا، بالکل ابتدائی عہد یعنی التمش کے دور میں زیادہ نامور یہ علمائے کاملین

[1] یہاں تفصیل کا موقعہ نہیں ورنہ سلطان المشائخ کے ملفوظات کا مجموعہ فوائد الفوائد اور برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے اس عہد کے تعلیم وتعلم کا جو نقشہ سامنے آتا ہے پورا نقل کیا جاتا۔

نظر آتے ہیں، شیخ نور الدینؒ مبارک غزنوی رحمہ اللہ، قاضی منہاج سراج رحمہ اللہ، قاضی فخر الائمہ رحمہ اللہ، قاضی حمید الدینؒ ناگوری رحمہ اللہ، قاضی قطبؒ الدین رحمہ اللہ، شیخ نظامؒ الدین غزنوی رحمہ اللہ۔

ان کے بعد کے طبقہ کے علماء میں درج ذیل علماء ممتاز ہیں، قاضی صدر الدینؒ عارف رحمہ اللہ، شمسؒ الدین یحییٰ رحمہ اللہ، حسامؒ الدین ملتانی رحمہ اللہ، فخر الدینؒ زرادی رحمہ اللہ (زرادی کے مصنف) معینؒ الدین کاشانی رحمہ اللہ، ان کے علاوہ بھی دسیوں نامور علماء کی فہرست ہے، یہ سب باکمال اور علم وعمل کے نادر نمونے تھے اور ملک کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں انہوں نے اسلام کی مستقل علمی ودینی تاریخ تشکیل دی ان میں سے شیخ نور الدینؒ غزنوی رحمہ اللہ شیخ شہابؒ سہروردی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے، اور شریعت وطریقت دونوں کے امام تھے، حسینی سید تھے، غزنی میں پیدا ہوئے سلطان شہاب الدین غوری ان کا بڑا معتقد تھا، جنگی مہمات پر جانے سے پہلے ان سے دعا کا طالب ہوتا تھا، اور بعد میں سلطان التمش بھی یہی عمل کرتے تھے، سلطان غوری نے دہلی فتح کیا تو ان کو یہاں لایا اور شیخ الاسلام مقرر کیا۔

اسی طرح صدر الصدور قاضی منہاج سراجؒ جرجانی رحمہ اللہ جن کا خاندان اصل جرجان کا تھا وہاں سے غزنی منتقل ہوا، اس وقت لاہور غزنویوں کی ولایت میں تھا، تاتاریوں کی ابتدائی غارت گری جب شروع ہوگئی تو ان کا خاندان لاہور آ گیا، ان کے والد لاہور میں پیدا ہوئے، جب لاہور پر سلطان غوری کا قبضہ ہوا تو اس نے قاضی منہاج کو لاہور کا قاضی مقرر کیا، ان کی شہرت مورخ وادیب ہونے کی حیثیت سے بھی ہے، لیکن اصل کارنامہ ان کا فقہ اور قانونِ شرع کے میدان میں ہے، انہوں نے اپنے دور کے فقہی رجحانات پر گہرے اثرات ڈالے، التمش نے اپنے عہد میں انہیں گوالیار کا قاضی بنایا، بعد میں یہ دہلی کے قاضی اور صدر الصدور بھی بنائے گئے، اس کے بعد مدرسہ ناصریہ کے مہتمم اور جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے، التمش کے بعد اس کا بیٹا سلطان ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن دونوں ان کے قدردان تھے،، آخر میں ان کو صدرِ جہاں کا خطاب دے کر پوری سلطنت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا، تاریخ میں ان کی مشہور کتاب ''طبقات ناصری'' ہے ان کی عام شہرت وتعارف محض اس کتاب کی وجہ سے بطورِ مورخ کے ہے، ان قاضی منہاج کی حیثیت سیاسی مدبر ہونے کے لحاظ سے بھی بڑی اونچی تھی، سلطانِ وقت اس حیثیت سے بھی ان سے استفادہ کرتے اور ان کی خدمات حاصل کرتے، خطیب وواعظ ہونے کی حیثیت سے ان کی عظمت کی شہادت حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے اس بیان سے ملتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں

میں ہر سوموار کو ان کا وعظ سننے جاتا تھا، ایک دفعہ ان کے کسی شعر پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ پر بے خودی طاری ہوگئی تھی۔ قاضی منہاجؒ سراج کے بعد فقہ کے میدان میں جس عالم نے بڑا نام پیدا کیا اور اس ملک میں فقہ کی تعلیم و تعلم اور مسائل سے دلچسپی کا عام ذوق پیدا کیا، وہ مولانا برھان الدینؒ بلخی رحمہ اللہ ہیں جو علوم میں قاضی منہاج سے بھی بہت آ گے تھے، مولانا بلخی بلخ میں پیدا ہوئے، ھدایہ آپ نے خود مصنف ھدایہ برہان الدینؒ مرغینانی رحمہ اللہ سے پڑھی اور ہندوستان میں آپ ہی نے ھدایہ کو متعارف کرایا اور اس کی تعلیم عام کردی، حدیث میں بھی آپ وقت کے امام حسنؒ صنعانی رحمہ اللہ صاحبِ مشارق الانوار کے شاگرد ہیں۔ (جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۵۹ ''عالم کے لئے مروجہ سیاست دانی ضروری نہیں''﴾

ایک موقعہ پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آج کل بعض علماء جو سیاسیات میں بہت کودتے پھاندتے ہیں اور چند واقعات و جزئیات معلوم کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے سیاست دان ہیں وہ دوسرے اپنے ہم عصر علماء پر جو یکسوئی کے ساتھ قوم کی خالص مذہبی دینی خدمات میں مشغول ہیں اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ سیاسیات میں کیوں مشغول نہیں ہوتے اور ایسے سیاسی لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر مولوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سیاسیات میں دخل دے اور اس کے اندر مہارت حاصل کرے، اور اس کے اندر مشغول ہو، حالانکہ ان لوگوں کے پاس ان کے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں بلکہ قرآن پاک کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہر مولوی کو سیاسیات کے اندر مشغول ہونا ضروری ہے غلط ہے'' (ملفوظات الافاضات الیومیۃ من الافادات القومیۃ جلد نمبر ۹ ص ۶۵، ملفوظ نمبر ۱۰۰)

علمائے کرام کا اصل منصب تو یہی تھا کہ وہ قوم کی خالص مذہبی، دینی و علمی خدمات میں مشغول ہوں، اور اس کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہوں، اب جو علما اپنے اصل منصب میں مشغول ہیں ان پر وہ علماء جو اپنے اصل منصب سے ہٹ کر عملاً پوری طرح سیاست میں مشغول ہیں، اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ سیاست میں کیوں مشغول نہیں ہوتے، حالانکہ اصل اعتراض ان علماء پر کرنے کے بجائے جو خالص مذہبی، دینی و علمی خدمت میں مصروف و مشغول ہیں ان پر ہونا چاہئے تھا جو اپنے اصل منصب کو چھوڑ کر پوری طرح نہ صرف عملی طور پر سیاست میں مشغول ہیں، بلکہ مروجہ سیاست میں لگ کر حلال اور حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے۔

تذکرۂ اولیاء مولانا محمد امجد حسین

اولیاءکرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر (قسط ۱)

اس کائنات میں اوراس کے تکوینی وتشریعی نظاموں میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں کام کررہی ہیں ان کی حقیقت تک کون پہنچ سکتا ہے؟ اہلِ حق کا مسلک تو اس باب میں بزبانِ حافظ شیرازی رحمہ اللہ یہ ہے۔ ـــ

حدیث مطرب و مے گو وراز زمانہ کمتر جو　　　　که کس نه کشد و نه کشائد بحکمت ایں معمہ را ۱؎

اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر مبنی نظامِ ہدایت میں سے دو نکتے بار ہا بندہ کے دامنِ دل کو اپنی جانب کھینچ کھینچ لیتے ہیں۔ ع

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است ۲؎

آج اپنے قارئین کو بھی اپنے اس ذوق میں شریک کرتا ہوں۔ ایک نکتہ تکوین وتشریع کے بہت سے سلسلوں کا چار کے عدد میں توافق وتطابق ہے مثلاً فرشتوں کی جنس میں سب سے بڑے فرشتے جو تکوین وتشریع کے بنیادی نظاموں کے مدار المہام اور منتظم ہیں چار ہیں: حضرت جبرئیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ مقدس آسمانی الہامی کتابیں چار ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید۔ حضور نبی کریم ﷺ کے خلفاء راشدین چار ہیں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ کائنات کے بنیادی عناصر چار ہیں: ہوا، آگ، پانی اور مٹی۔ یہ تو عالمِ اکبر کے بنیادی عناصر ہیں۔

عالمِ اصغر یعنی انسان (بلکہ تمام جاندار؟) میں دیکھیں تو اخلاط کی تعداد چار ہے: ،دم، صفرا، سودا، بلغم۔ اسی طرح مفرد ومرکب کیفیات بھی چار ہیں، مفرد، گرم، سرد، خشک، تر اور مرکب، گرم تر، گرم خشک، سرد تر، سرد خشک۔ اسی طرح بالعموم دنیا کے موسم چار ہیں، بہار، خزاں، سرما، گرما۔

۱؎ یاراور جام وسبو کی بات کراور (فلاسفہ کی طرح) زمانہ کی گرہ کشائیوں کے چکر میں نہ پڑ، کہ کوئی عقل وخرد کے زور پر یہ معمہ حل نہیں کرسکا۔

۲؎ حسن کرشمہ دامنِ دل کو اپنی جانب متوجہ کرتا ہے کہ جائے نظارہ ہے تو بس یہی ہے۔

اسی طرح کچھ اور چیزیں بھی ہیں، ہدایت کے نظام میں خلفاءِ راشدین کے علاوہ مزید دیکھیں تو اہلِ حق کے فقہی مذاہب چار ہیں، حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی، اور فقہ باطن یعنی تصوف وسلوک کے معروف ومتداول سلسلے بھی چار ہیں، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ۔

حالانکہ فقہ وتصوف دونوں میدانوں میں بیسیوں بڑے بڑے امام گذرے ہیں جو مستقل سلسلوں کے بانی ہوئے اور جن کے سلسلے ایک عرصہ تک چلے اور پھلے پھولے بھی، لیکن آخرالامر امت کی غالب اکثریت میں دونوں دھاروں میں چار چار سلسلوں کو ہی قبولِ عام اور شیوعِ تام حاصل ہوا۔

دوسرا نکتہ جس کو بندہ اپنے ذوق کے اعتبار سے آیت ’’كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ (الأية الرحمٰن)‘‘ کے تناظر میں دیکھتا ہے کہ کسی خاص زمانے میں اللہ تعالیٰ عالمِ خلق یا عالمِ امر میں کسی خاص نقشے کو ظاہر فرماتے ہیں اور پھر اسے اتمام وتکمیل تک پہنچا دیتے ہیں یہ سارا عمل ایک تدریج، تنظیم وترتیب کے ساتھ اس طرح انجام پاتا ہے کہ اس زمانے کے حالات فضا اور زندگی کی ساری سرگرمیاں اسی نقشے کے گرد گھومنے لگتی ہیں اور اسی کو پروان چڑھانے کے کام میں جُت جاتی ہیں، عالمِ خلق میں تو قدم قدم پر اس کی مثالیں ملتی ہیں اور ہر خاص وعام پر واضح ہیں اگر کوئی اسے اس نظر سے نہ دیکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص صنعت گری کی عکاسی کرتی نظر آئے تو یہ نظر کا قصور ہے، مثلاً برسات ایک موسم ہے جب یہ زمانہ آتا ہے تو وہی زمین جو سخت ہو جانے میں پتھر کی سنگینی کو مات دے رہی تھی اور ایک سبز تیغ اگانے کی بھی روادار نہیں تھی اس میں روئیدگی کی صلاحیت راتوں رات ایسی مستزاد ہو جاتی ہے کہ وہ ہریالی کے اگانے کے لئے بے تاب ہو جاتی ہے اور اس کے ہموار وڈھلوان سب حصے پھٹے پڑتے ہیں، نباتات قوتِ نمو سے بھر بھر جاتے ہیں، ابروباراں بھیجنے والا رب جب آسمان سے مینہ کی جھڑیوں کا منہ کھولتا ہے تو یہ مبدأ حیات ماءِ طہور زمین پر زرفشاں ہو کر اسے اپنے موہوبہ فیضان سے نہال کر دیتا ہے، گھاس، چارہ، پھول پھل، گل بوٹے، فصل اناج، غلے، ترکاریاں، سینہ گیتی کو ثمرباری سے بوجھل کر دیتی ہیں۔ رنگارنگ سبزہ، لہلہاتی کھیتیاں، اور اٹھلاتی ہریالیاں خشک ہوئی زمین کو سبز پوشاک پہنا کر اور رنگارنگ رداء اوڑھا کر عروسِ نو (نئی نویلی دلہن) کا بانکپن فراہم کر دیتی ہیں اور چشمِ عالم کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں، ذرا اس منظر کو ان آیات کے تناظر میں دیکھا جائے:

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝

وَزَيْتُوناً وَّنَخلاً ﴿﴾ وَحَدَائِقَ غُلْباً ﴿﴾ وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعاً لَّكُمْ وَلاَنْعَامِكُمْ ﴿﴾ (سورة عبس آیت ۲۵ تا ۳۲)

ایک اور مثال جو کہ آفاقی بھی ہے اور روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے ہر صبح مشرق کے افق سے آفتاب عالمتاب کا طلوع ہے کہ ہر صبح نور تڑکے چرند و پرند اور وحوش وطیور آفتاب کی آمد سے پہلے ہی اس کے ایلچی وڈھنڈورچی بن کر اس کی آمد آمد کی خبر سناتے ہیں اور ٹہنی ٹہنی ڈال ڈال پر بیٹھ کر غل مچاتے ہیں، ۱؎ اس شور غل سے ہی رات کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے اوسان خطا ہونے لگتے ہیں اور افق کی لالی ابھی چشمہ آفتاب کی شعاعوں کو اپنے خونِ جگر سے غسلِ آفتابی ہی دے رہی ہوتی ہے کہ شبِ ظلمت کی تاریکیوں اور اندھیاروں کا دمِ واپسیں مکمل ہو چکتا ہے، اندھیارے کچھ ایسے حواس باختہ ہو کر بھاگتے ہیں کہ انہیں منہ چھپانے کی جگہ بھی میسر نہیں آتی ''وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا'' اور بزبانِ حال یہ کہتے جاتے ہیں ع مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور

حالانکہ یہی اندھیرے تھے کہ ابھی کچھ دیر پہلے تیرہ وتار شب کے آخری لمحات تک چاند اپنی چاندنی کی ساری پونجی لٹا کر بھی انہیں لتاڑ نہ سکا، اپنی کرنوں کے ڈول بھر بھر کر روشنی کی پیاسی زمین پر انڈیلتا رہا، لیکن اندھیروں کی دبیز تہوں کا سامنا کرتے ہی اس کی اپنی روشنی سسکنے اور ٹھٹھرنے لگتی، ع

بے کار رائے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی

ستارے جگمگا جگمگا کر تلملا اٹھے، اور راہ بھٹکے مسافروں اور صحرانورد قافلوں اور بادیہ پیما کاروانوں کو نشانِ منزل کا پتہ بتا بتا کر تھک گئے لیکن شبِ دیجور کی زلفِ پریشاں کا ذرا بھی پیچ وخم نہ نکال سکے، ویرانے میں زاہد مرتاض کی محفلِ شب کا ہم نشین ٹمٹماتا چراغِ رہبانی اندھیروں کے آگے روتا، جان کھوتا، گھلتا اور پگھلتا رہا اور پروانے پروانہ وار آ آ کر اس کے حریمِ الفت میں خودسوزی کر کے جانیں نچھاور کرتے رہے، اور اس قربان گاہِ محبت کے بھینٹ چڑھ کر فداکاری وجاں سپاری کی خونیں داستانیں رقم کرتے رہے لیکن اندھیرے ہیں کہ ٹس سے مس نہ ہوئے ہیں۔ ؎

شمع کا گھلنا، پروانے کا جلنا ستاروں کا ٹوٹنا ہزاروں مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

کچھ یہی ماجرا عالمِ امر میں ہدایت وضلالت اور نور وظلمات کے دورانیوں اور مرحلوں کا بھی ہے، انسانیت کفر وشرک ظلم وطغیان میں سرتاسر ڈوبی ہوتی ہے ﴿بقیہ صفحہ ۷۵ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

۱؎ اور بزبانِ حال نیند کے متوالوں کو جھنجھوڑتے ہیں کہ ؎ نہ لو کروٹیں نہ بستر ٹٹولو خدا کو یاد کر لو اور منہ ہاتھ دھو لو

پیارے بچو! مفتی ابوریحان

ملک وملت کے مستقبل کی عمارت گری وتربیت سازی پر مشتمل سلسلہ

پرانے اور آج کے کھیل (قسط ۱)

پیارے بچو! بچوں کے کھیل کود کی روایت بہت پرانی ہے، پہلے زمانے میں بھی بچے ہوتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں، جو تمہیں آج بڑے نظر آتے ہیں، جیسے تمہاری امی، تمہارے ابو، تمہارے تایا، تمہارے چچا، تمہارے دادا، تمہارے نانا، تمہاری دادی، تمہاری نانی، اور جو جو بھی تمہارے رشتہ میں بڑے ہیں، وہ سب کسی زمانے میں تمہاری طرح چھوٹے چھوٹے بچے تھے، انہوں نے بھی بچپن کا زمانہ کسی نہ کسی طرح سے تو گزارا ہی ہوگا، اور بچپن میں کھیلے کودے بھی ہونگے، لیکن بچو پہلے زمانے میں آج کل کی طرح کے کھیل کود کے نئے نئے طریقے پیدا نہیں ہوئے تھے، جیسا کہ آج کل مختلف قسم کے بیڑی اور سیلوں سے چلنے والے کھلونے ہیں، مختلف طرح کے گیم ہیں اور بچوں کے کھانے پینے کی ہزاروں چیزیں بازار میں آ گئی ہیں، یہ چیزیں تو بہت بعد میں آئی ہیں، پہلے زمانے میں یہ چیزیں کہاں تھی؟ بچو تم سوچتے ہوگے کہ پھر پہلے زمانے میں بچے کس طرح کھیلا کرتے ہوں گے اور ان کے کھیل کود کی چیزیں کیسے ہوتی ہونگی۔

تو آیئے تمہیں پرانے زمانے کے کھیلوں کے بارے میں بتلاتے ہیں، تاکہ تمہیں پتہ چلے کہ پہلے زمانے میں کس کس طرح کے کھیل ہوا کرتے تھے، اور بچے کس طرح کھیلا کرتے تھے، ہم یہ تو نہیں کہتے کہ تمہیں پہلے زمانے کے سارے کھیلوں کے بارے میں بتلایا جائے گا، ہاں یہ کہیں گے کہ کچھ کھیلوں کے بارے میں بتلایا جائے گا، ان کھیلوں کے پتہ چلنے اور معلوم ہونے کے بعد تمہیں اتنا اندازہ تو ضرور ہو جائے گا، کہ پہلے زمانہ میں کتنی سادگی تھی اور کتنے ہلکے پھلکے اور صاف ستھرے کھیل ہوتے تھے، جن سے ورزش بھی ہوتی تھی اور لڑائی جھگڑے کی نوبت بھی بہت کم آتی تھی اور پیسے بھی خرچ نہیں ہوتے تھے، اور اسی کے ساتھ صحت کے لئے بھی فائدہ مند ہوتے تھے۔

لڑکے اور لڑکیوں کے کھیل الگ الگ

پیارے بچو! پہلے زمانے میں اس چیز کی عام طور پر پابندی ہوا کرتی تھی کہ اگر کسی جگہ زیادہ تعداد میں لڑکے اور لڑکیاں جمع ہوتے تھے تو لڑکے الگ کھیلا کرتے تھے، اور لڑکیاں الگ کھیلا کرتی تھیں، اور اگر کوئی

Idara Ghufran

لڑکا لڑکیوں کے کھیل میں جاگھس جایا کرتا تھا تو اس حرکت کو بہت برا سمجھا جاتا تھا اور ایسی حرکت کے وقت مخصوص الفاظ سے ایسے لڑکے کو شرم دلائی جایا کرتی تھی، مثال کے طور پر کہا جاتا تھا ''لڑکیوں میں لڑکا گُو کھانا''، جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر لڑکیوں میں کوئی لڑکا گھس گیا ہے تو یہ حرکت ایسی بری ہے جیسا کہ پاخانہ کھانے کی حرکت بری ہوتی ہے۔

پیارے بچو! پہلے زمانے کی یہ بہت اچھی عادت تھی کہ لڑکے الگ کھیلتے تھے اور لڑکیاں الگ کھیلا کرتی تھیں، جس کی وجہ یہ تھی لڑکوں کو لڑکوں کے ساتھ کھیلنا مناسب ہوتا ہے اور لڑکیوں کو لڑکیوں کے ساتھ کھیلنا، یہ بے شرمی کی بات ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں آپس میں گُھل مِل کر کھیلیں، اللہ میاں نے لڑکیوں کا دوسرا مزج بنایا ہے، اور لڑکوں کا دوسرا مزاج بنایا ہے، اس لئے ہر ایک کو اپنے مزاج والوں کے ساتھ کھیلنا ہی اچھا ہوتا ہے، اور اس سے بہت سی باتیں سیکھ لی جاتی ہیں اور بہت سی خرابیوں سے بچے بچ جاتے ہیں۔

اونچ نیچ کا کھیل

پیارے بچو! پہلے دور میں ایک کھیل ''اونچ نیچ'' کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا، پہلے زمانے میں گھروں میں اندر کے کمروں کے سامنے برآمدے ہوتے تھے اور برآمدوں کے باہر چبوترا ہوتا تھا اور چبوترے کے بعد صحن وغیرہ ہوا کرتا تھا، عام طور پر چبوترا صحن سے کچھ اونچا ہوا کرتا تھا، اس چبوترے اور صحن میں یہ کھیل کھیلا جاتا تھا، اسی طرح پہلے زمانے میں گھروں کے باہر بھی کچھ جگہ چھوڑی جاتی تھی جو کہ باہر گزرنے والی گلی اور راستے سے کچھ اونچی ہوتی تھی، وہاں بھی بچے یہ کھیل کھیلا کرتے تھے، اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور اونچی نیچی جگہ ہوتی تھی وہاں بھی یہ کھیل لیا کرتے تھے، اس کھیل کے دوران ایک بچہ نیچے ہوا کرتا تھا اور باقی سب بچے اوپر ہوا کرتے تھے، نیچے والے بچے کو اوپر چڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، وہ اپنے نیچے والے حصے میں کھڑا رہتا تھا اور اوپر والے بچے نیچے والے حصے میں بھاگ کر آتے تھے اور نیچے والا بچہ بھاگ کر ان بچوں کو پکڑنے کوشش کیا کرتا تھا، اور یہ بچے نیچے آنے کے بعد تیزی سے دائیں بائیں سے بھاگ کر اور پکڑنے والے سے اپنے آپ کر بچا کر اپنی اونچی جگہ بھاگ جاتے تھے، اس کھیل کے دوران نیچے والا بچہ اوپر والے جس بچے کو بھی نیچے والی جگہ میں پکڑ لیا کرتا تھا، اس کے بعد اس پکڑنے والے بچہ کی باری ہوتی تھی اور وہ پھر پہلے بچے کی طرح نیچے کھڑے ہوکر اوپر سے نیچے آنے والے بچوں کو پکڑا کرتا تھا

بچو! اس کھیل میں سب بچے خوب بھاگتے اور دوڑتے تھے اور ان کے جسم کی پوری طرح ورزش ہوجایا

کرتی تھی، اور کھانا پینا بھی اچھی طرح ہضم ہوجاتا تھا، کھیلنے کے بعد بھوک بھی اچھی لگتی تھی، اور بچے اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کیا کرتے تھے، اور ایک آج کل کے بچے ہیں کہ بھاگنے دوڑنے کا سلسلہ ہی ختم ہوگیا ہے، اور نفسیاتی مریض بننا شروع ہوگئے ہیں۔

رسی جھولنے کا کھیل

پہلے زمانے میں بچوں کو اور خاص طور پر بچیوں کو جھولنے کا بھی بہت شوق تھا، آج کل تو جھولنے کا کھیل پارکوں تک رہ گیا ہے، کوئی بچہ کسی پارک میں جاتا ہے یا کوئی جھولا جھلانے والا گلی محلے میں آجاتا ہے تو بچوں کو جھولنے کا موقع مل جاتا ہے، لیکن پہلے زمانے میں تقریباً ہر گھر میں جھولنے کا کھیل کھیلا جاتا تھا، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کمروں کی چھت میں یا کسی اونچی جگہ رسی وغیرہ لٹکانے کے کنڈے لگے ہوئے ہوا کرتے تھے، بلکہ بعض گھروں میں خاص جھولنے کی رسی ڈالنے کے لئے لکڑی کی بنی ہوئی بیلن کی طرح کی ایک چیز چھتوں میں لگی ہوئی ہوا کرتی تھی، اس میں بچوں کے لئے مضبوط رسی ڈال دی جایا کرتی تھی، دونوں رسی کے سرے اور کنارے اوپر مضبوط بندھے ہوئے ہوتے تھے، اس رسی کے درمیان میں کوئی کپڑا، تکیہ پھنسا کر اور کبھی خالی رسی ہی کے درمیان بچے پیر نیچے زمین پر لٹکا کر کرسی کی طرح دونوں ہاتھوں سے اپنے دائیں بائیں رسی کو پکڑ کر بیٹھ جاتے تھے، پھر کبھی تو رسی میں بیٹھنے والا بچہ خود ہی اپنے پاؤں کو زمین پر مار کر جھولنا شروع کردیا کرتا تھا اور کبھی جھولا دینے والا دوسرا بچہ درمیان میں زمین پر کھڑے ہوکر جھولا دیا کرتا تھا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک بچہ جھولنے والی کی کمر کی طرف دور کھڑا ہوکر زور زور سے ہاتھوں کے سہارے سے جھولا دیا کرتا تھا، اگر یہ جھولنے والی جگہ بڑی ہوتی تو اتنی زور سے جھولے دیئے جاتے تھے کہ آگے اور پیچھے کی طرف سے جھولا کھانے والا بچہ اونچی اونچی چھت سے ملنے کے قریب ہوجاتا تھا، جھولنے والا اگر کچھ بڑا لڑکا یا لڑکی ہوتی تو وہ ایک دوسرے چھوٹے بچے کو جھولنے کے دوران اپنی گود میں بھی بٹھالیا کرتا تھا۔

پیارے بچو! یہ کھیل بہت اچھا تھا، کیونکہ اس کھیل سے پورے جسم کی ورزش ہوجایا کرتی تھی اور کھانا بھی ہضم ہوجایا کرتا تھا، اور آج کل ایک تو بڑے بڑے اور کھلے کھلے گھر بہت کم ہیں اور دوسرے بچوں کو اس کھیل کا شوق بھی نہیں، آج کل تو زیادہ تر ایسے کھیل ہیں جو ایک جگہ بیٹھے بیٹھے کھیلے جاتے ہیں اور ان میں کوئی ورزش نہیں ہوتی۔ ٹیلی ویژن کے پروگراموں اور آج کل کے بچوں کے پسندیدہ پروگرام کارٹون نے تو آج کل بچوں کو بہت سست بنادیا ہے، نہ جسم کی ورزش ہے اور نہ کھانا پینا ہضم ہونے کا کوئی انتظام

ہے، بچے طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔

رسی کودنے کا کھیل

پہلے زمانے میں ایک کھیل رسی کودنے کا ہوا کرتا تھا، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک اتنی بڑی رسی لے لی جایا کرتی تھی جس کے دونوں سروں کو ہاتھ میں پکڑ کر اپنے پاؤں کے نیچے اور سر کے اوپر سے گزارا جاسکے، جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ رسی کے دونوں کنارے اور سرے اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لئے جاتے تھے اور اس رسی کو کھڑے ہو کر اپنے سامنے اور کبھی اپنے پیچھے کی طرف سے زمین سے اوپر اچھل کر اور کود کر پاؤں کے نیچے سے گزارنا ہوتا تھا اور سر کے اوپر سے لاکر دوبارہ نیچے سے گزارا جایا کرتا تھا، اس طرح وہ رسی انسان کے اوپر اور نیچے سے تیزی سے گزرا کرتی تھی اور اس کھیل کے دوران جو بچہ جتنی تیزی سے اور جتنی دیر تک مسلسل یہ عمل دہراتا رہتا تھا، اس کی باری ختم نہیں ہوتی تھی اور جب بچہ کے پاؤں سے رسی ٹکرا جاتی تو اس کی باری ختم ہو جاتی تھی، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک گنتی مقرر کردی جایا کرتی تھی کہ اتنی مرتبہ اس رسی کو تیزی کے ساتھ اپنے پاؤں کے نیچے اور سر کے اوپر سے گزارنا ہے، جو بچہ تیزی کے ساتھ اس عمل کو کرنے میں کامیاب ہو جایا کرتا وہ فتح یاب شمار ہوتا تھا، اور کبھی اس کھیل میں رسی کودنے کے ساتھ ساتھ زمین پر چلتے رہنے کی پابندی بھی ہوا کرتی تھی، جس کا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ جوں ہی رسی پاؤں کے نیچے سے گزرا کرتی تھی دوسری مرتبہ سر کے اوپر سے ہو کر آنے سے پہلے ایک قدم آگے رکھنا ہوا کرتا تھا۔

یہ کھیل کبھی اس طرح بھی کھیلا جاتا تھا کہ ایک بڑی رسی لے کر رسی کا ایک سرا ایک بچہ اور دسرا سرا دوسرا بچہ پکڑ لیتا تھا اور آمنے سامنے منہ کر کے یہ دونوں بچے ذرا فاصلہ پر کھڑے ہو کر رسی کو اوپر نیچے گھماتے تھے اور اسی رسی سے ایک تیسرا بچہ ٹپا کرتا تھا اور اس کھیل میں رسی چلتے رہنے کے دوران دائیں بائیں سے ایک بچہ کو آکر رسی سے لگاتار ٹاپتے رہنا ہوتا تھا، رسی اس کے سر اور پاؤں کے نیچے سے گزر کر آتی رہتی تھی، اور اگر کھیل کے دوران یہ بچہ کسی مرتبہ اُس رسی کو صحیح طور پر ٹاپنے میں ناکام ہو جاتا تھا تو اِس بچے کے رسی ٹاپنے کی باری ختم ہو جاتی تھی۔

پیارے بچو! یہ کھیل بے ضرر تھا اور اس سے عام طور پر کوئی چوٹ وغیرہ نہیں لگتی تھی اور کھیل کے ساتھ ساتھ ورزش بھی بہت اچھے طریقہ پر ہو جایا کرتی تھی، یہ کھیل اگرچہ زیادہ تر لڑکیاں کھیلا کرتی تھیں، مگر بعض اوقات لڑکے بھی کھیلا کرتے تھے۔ (جاری ہے............)

بزمِ خواتین مفتی محمد رضوان

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

حضور ﷺ کے خواتین سے چند اہم خطاب (قسط ۱)

﴿۱﴾......ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ نے خواتین کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’یَامَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ وَاَکْثِرْنَ الْاِسْتِغْفَارَ فَاِنِّیْ رَأَیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ اِنَّکُنَّ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ، مَارَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَغْلَبَ لِذِیْ لُبٍّ مِّنْکُنَّ، اَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ فَشَھَادَةُ اِمْرَأَتَیْنِ تَعْدِلُ شَھَادَةَ رَجُلٍ فَھٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَتَمْکُثُ اللَّیَالِیَ مَاتُصَلِّیْ وَتَفْطُرُ فِیْ رَمَضَانَ فَھٰذَا نُقْصَانُ الدِّیْنَ (مسلم، ابن ماجة عن ابن عمر، مسند احمد، مسلم، ترمذی، عن ابی ھریرة، مسند احمد، بخاری، مسلم، عن ابی سعید) (زیادة جامع الصغیر، حرف الیاء)

ترجمہ: اے خواتین کے گروہ! تم صدقہ دیا کرو، اور کثرت سے استغفار اور اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کیا کرو، کیونکہ میں نے (معراج کی رات میں) تمہیں کثرت سے دوزخ میں دیکھا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو تم لعن طعن کثرت سے کرتی ہو (بددعائیں دیتی ہو، ایک دوسرے پر لعنت بھیجتی ہو) اور دوسرے اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو (شوہر کی نعمت کا انکار کرتی ہو اور اس کے احسانات کو بھول جاتی ہو) میں نے عقل اور دین میں ناقص ہونے کے باوجود تم عورتوں سے زیادہ عقل مند پر غالب آ جانے والا کوئی نہیں دیکھا (یہ بھی تمہارے زیادہ جہنمی ہونے کا سبب ہے) عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے، یہ تو عقل کا نقصان ہوا، اور دین کا نقصان یہ ہے کہ مخصوص ایام میں عورتیں نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتیں تو یہ دین کا نقصان ہوا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو کثرت سے دوزخ کے عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جائے گا کہ ایک تو عام طور پر عورتیں لعن طعن بہت کرتی ہیں اور دوسرے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ حالانکہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں کہ دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر رکھا گیا ہے، اور ناقص الدین ہوتی ہیں کہ مخصوص ایام میں نماز، روزہ کی عبادت انجام نہیں دے سکتیں، اس کے باوجود بھی عقل مند مردوں پر غلبہ حاصل

کرنے میں سب سے زیادہ آگے ہیں۔اس لئے عورتوں کو چاہئے کہ لعن وطعن اور شوہر کی ناشکری کے گناہ سے اور مردوں پر غالب آنے کی حرکت سے پرہیز کریں، کیونکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غیض وغضب کا باعث ہیں۔اور زکوٰۃ وصدقہ کا اہتمام کیا کریں، اور کثرت سے استغفار کیا کریں۔زکوٰۃ وصدقہ کے اہتمام سے اللہ تعالیٰ کا غیض وغضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور استغفار کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

﴿۲﴾......ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے خواتین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''یَامَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْمِنْ حُلِیِّکُنَّ فَاِنَّکُنَّ اَکْثَرُ اَھْلِ جَھَنَّمَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ''

(زیادۃ الجامع الصغیر، حرف الیاء، مسند احمد، ترمذی، ابن حبان، مستدرک حاکم عن زینب امرأۃ ابن مسعود)

ترجمہ: اے عورتو! صدقہ دیا کرو، اگرچہ اپنے زیور سے ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ قیامت کے دن اکثر دوزخی اور جہنمی تم ہی ہوگی۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے خواتین کو صدقہ کرنے کی تاکید فرمائی اور اتنے سخت انداز میں تاکید فرمائی کہ اگر صدقہ کے لئے ان کے پاس زیور کے علاوہ کوئی اور چیز نہ ہو تو زیور ہی سے صدقہ کیا کریں (بشرطیکہ زیوران کی ملکیت ہو یا شوہر کی ملکیت ہو تو اسکی اجازت ہو) کیونکہ قیامت کے دن اکثر جہنم میں جانے والی خواتین ہی ہونگی۔اس حدیث میں حضور ﷺ نے خواتین کو جہنم سے بچنے کا یہ طریقہ بتلایا کہ وہ صدقہ دیا کریں اگرچہ زیورات ہی سے صدقہ کیوں نہ کریں۔خواتین کو مال اور خاص طور پر زیورات سے بہت محبت ہوتی ہے اور زیور کی خاطر وہ طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں، ایک گناہ تو خود مال اور زیورات کی بے جا محبت ہی ہے، اوپر سے مال حاصل کرنے کے لئے حلال وحرام کی تمیز نہ رہنا، اور اپنے شوہروں کو کسی بھی جائز وناجائز طریقہ پر مال حاصل کرنے پر آمادہ یا مجبور کرنا اور زیورات کے ذریعہ دکھلاوا کرنا، دوسری عورتوں کے سامنے اپنے زیورات کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنا اور نامحرموں کے سامنے اپنے زیورات کا اظہار کرنا اور ان زیورات کی زکوٰۃ ادا نہ کرنا نیز صدقہ نہ کرکے مال کی محبت کا علاج نہ کرنا اور اس جیسے دوسرے گناہ بھی جب جمع ہوجائیں تو پھر عورتوں کے کثرت سے جہنم میں جانے میں کیا شبہ اور کیا کسر باقی رہ جاتی ہے۔

﴿۳﴾......ایک حدیث میں آپ ﷺ نے خواتین کو اس انداز میں خطاب فرمایا:

''یَامَعْشَرَ النِّسَاءِ لَاتُحَلِّیْنَ الذَّھَبَ اَمَالَکُنَّ فِی الْفِضَّۃِ مَاتُحَلِّیْنَ بِہٖ اَمَا اَنَّہٗ لَیْسَ مِنْکُنَّ اِمْرَأَۃٌ تُحَلِّیْ ذَھَباً تُظْھِرُہٗ اِلَّاعُذِّبَتْ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ''(زیادۃ الجامع الصغیر، حرف الیاء بحوالہ مسند احمد، ابوداؤد، نسائی، طبرانی فی الکبیر عن خولۃ بنت الیمان)

''ترجمہ: اے عورتوں کی جماعت! تم سونے کے زیورات پہننے سے پرہیز کرو، تمہیں کیا ہوا کہ تم چاندی کے زیورات نہیں پہنتیں (اور اس کے بجائے صرف سونے کے زیورات ہی کا انتخاب کرتی ہو) خبردار ہو جاؤ، تم میں سے کوئی عورت بھی ایسی نہیں جو سونے کے زیورات پہن کر دکھلاوا (اور تکبر و تفاخر) کرتی ہو، مگر یہ کہ اسے اس (دکھلاوا اور تکبر و تفاخر کرنے) کی وجہ سے قیامت کے روز عذاب میں مبتلا کیا جائے گا''

اس حدیث میں حضور ﷺ نے عورتوں کے ایک قلبی اور چھپے ہوئے مرض کی اچھوتے انداز میں نشاندہی فرمائی، جس کی طرف آج ہماری توجہ نہیں، وہ مرض یہ ہے کہ عورتوں کو زیورات کے ذریعہ سے تکبر اور فخر و تفاخر کا اظہار ناجائز ہے اور آج کل عام طور پر عورتیں سونے کے زیورات ہی کا انتخاب کرتی ہیں، حالانکہ زیور تو چاندی کا بھی ہوتا ہے، اور عورتوں کو سونے کے زیور کی طرح چاندی کا زیور پہننا بھی جائز ہے، مگر وہ زیادہ تر بلکہ آج کل تقریباً پچانوے فیصدی سونے ہی کا زیور استعمال کرتی ہیں جس کی ایک اہم وجہ جو مشاہدہ میں ہے ریاکاری اور دکھلاوا نیز فخر و تفاخر اور تکبر کا مرض ہے اور یہ مرض ان کے لئے قیامت کے دن سخت اور دردناک عذاب کا باعث ہوگا۔ [1]

چنانچہ آجکل یہ بات عام دیکھنے میں آتی ہے کہ چاندی کے زیور کو کوئی پوچھتا ہی نہیں، اگر کوئی عورت چاندی کا زیور پہنے اسے معاشرے میں حقیر سمجھا جاتا ہے اور سونے کا زیور پہننے والی عورت کو معزز سمجھا جاتا ہے۔

سونے کی زیادہ طلب اور چاندی کی کم طلب کی وجہ سے آج سونے اور چاندی کی قیمتوں میں اتنا فرق ہو گیا ہے کہ اگر سونے سے زکوٰۃ کا ساڑھے سات تولہ نصاب آج ہماری کرنسی کی نسبت سے لاکھوں روپے میں بنتا ہے تو چاندی سے زکوٰۃ کا نصاب ہماری کرنسی کی نسبت سے صرف بیس پچیس ہزار میں بن جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے کئی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

سونے کے زیورات کی دوڑ میں اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کسی عورت کے نکاح کا اس وقت تک تصور ہی نہیں کیا جاتا جب تک سونے کے زیورات کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو، حالانکہ نکاح کے لئے زیور کا مہیا ہونا نہ فرض ہے نہ واجب، اور نہ ہی سنت، البتہ نکاح بعض حالات میں فرض، بعض حالات میں واجب

---

[1] فدل ذالک ان الوعید انماھی علیٰ اظھار حلیة الذھب علی سبیل التفاخر لاعلی نفس التحلی بالذھب فلااشکال، وماقیل ان الذھب و الفضة فی ھذاسواء ففیه ان التفاخر بالذھب اکثر وقوعا کمالایخفی مع ان الذھب ابعد من الحاجة لان الحاجة تندفع بحلیة الفضة مع تسفیرھا بالزعفران وغیرہ (اعلاء السنن ج۱۷ ص ۲۸۸، کتاب الحظر و الاباحة، باب حرمة الذھب علی الرجال وحلهٔ للنساء)

اور بعض حالات میں سنت ہے، آج سونے کے زیور کے استعمال کو خواتین نے فرض وواجب کا درجہ دے رکھا ہے، حالانکہ عورت کو زیور پہننا جائز ہے اور جائز ہونے کی بھی کچھ شرائط ہیں، لیکن شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے بھی زیور نہ پہننے کی یہ فضیلت ہے کہ جس عورت نے دنیا میں زیور نہ پہنا اسے آخرت میں بہت کچھ ملے گا (ملاحظہ ہو بہشتی زیور، تیسرا حصہ ص ۶۲، لباس اور پردے کا بیان)

مگر عورتوں نے ایک تو جائز کو فرض وواجب بنالیا، اور زیور نہ پہننے کی فضیلت کو بالکل نظرانداز کر دیا، اور اوپر سے جائز ہونے کی جو شرائط تھیں ان کا بھی لحاظ نہ کیا، اور پے در پے شریعت کے احکام کی مخالفت پر اتر آئیں جس کی وجہ سے آخرت کے عذاب اور وبال کو اپنے سر پر مسلط کیا۔

یہ تو آج کل مسلمان خواتین کا حال ہے اور حضور ﷺ کے دور میں خواتین کا کیا حال تھا، اور ان کا دنیا کے مال ودولت اور زیورات کے ساتھ کس قسم کا تعلق تھا، آیئے اس کا مختصر جائزہ لے لیا جائے۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ثُمَّ اَتیَ النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يُهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَوَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ“ (بخاری فی العلم)

ترجمہ: پھر آنحضرت ﷺ خواتین کے مجمع کی طرف تشریف لے گئے اور خواتین کو وعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ دینے کی ترغیب دی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ خواتین اپنے کانوں اور گلوں کے زیورات اتار اتار کر حضرت بلال (کے سامنے پھیلے ہوئے کپڑے) کی طرف پھینک رہی ہیں (جو حضور ﷺ کے ساتھ تھے) اس کے بعد حضور ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

فائدہ: حضور ﷺ کو خواتین کا یہ صدقہ دینا غریبوں کے لئے تھا، اس حدیث سے صحابیہ خواتین کے ایمان کی مضبوطی پر روشنی پڑتی ہے کہ جنت کے زیورات وانعامات کی طلب نے انہیں دنیا کے زیورات سے بے رغبت کر دیا تھا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

”اَنَّ امْرَاَةً اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَعَهَا ابْنَةٌ لَهَا وَفِيْ يَدِهَا مَسْكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهَا اَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا قَالَتْ لَا، قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُّسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَ فَخَلَعَتْهُمَا فَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَتْ

هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ" (ابو داؤد، ونسائی کتاب الزکوٰۃ)

ترجمہ: ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کے ساتھ اس کی ایک لڑکی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے، حضور ﷺ نے (لڑکی کے ہاتھ میں کنگن دیکھ کر) عورت کو (خطاب کرتے ہوئے) دریافت فرمایا کہ کیا تم اس زیور کی زکوٰۃ دیتی ہو، عورت نے عرض کیا کہ نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ ان دو کنگنوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم کو آگ کے دو کنگن پہنا دیں، یہ سن کر اس عورت نے وہ دونوں کنگن (بچی کے ہاتھ سے نکالے) اور حضور ﷺ کی طرف ڈال دیئے اور کہا کہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (آپ جہاں چاہیں اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیں) (جاری ہے............)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۶۶ "تصوف کے مشہور سلسلوں کا تاریخی پسِ منظر"﴾

جزوی طور پر اصلاحِ احوال کے لئے وقتاً فوقتاً بہتیرے طبقے اور افراد صلاح وفلاح کا مشن لے کر اپنے اپنے طور پر میدان میں اترتے ہیں۔ چونکہ وہ خود آسمانی ہدایت سے محروم ہوتے ہیں اور محض اپنی عقل اور سمجھ کے ذریعے انسانی صلاح وفلاح کے پیمانے نامزد کرتے ہیں اور ان کی ساری کدوکاوش کا محور ان کے محدود علم کی وجہ سے دنیا کی زندگی کو سنوارنا ہوتا ہے معاد وحشر سے جاہل اور خالق کی صحیح معرفت سے بیگانہ اور خالق ومخلوق کے تعلق سے ناآشنا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بگاڑ کے ہمہ جہت دھاروں کا رخ ریت کے گھروندے کھڑے کر کے تو نہیں موڑا جاسکتا، [1] جس طرح رات کے اندھیروں کو شب مہتاب اور تاروں بھرا آسمان زائل نہیں کرسکتا۔ وقت کا ایک نبی آتا ہے وہ گمراہی کی دلدل میں پھنسی ہوئی جاں بلب انسانیت کو وحی الٰہی سے تجویز شدہ نسخہ کیمیا استعمال کراتا ہے تو ہدایت کی متلاشی سعید روحیں نئی زندگی پالیتی ہیں اور حیاتِ جاوداں کی راہ پر گامزن ہوجاتی ہیں اور باقیوں پر حق واضح ہو کر اتمامِ حجت ہوجاتا ہے پھر وہ ھٹ دھرمی اور سرکشی سے باز نہ آئیں تو ایک معینہ مدت تک مہلت کے بعد زمین کو ان کے نامبارک وجود سے پاک کردیا جاتا ہے، اسی طرح نسل درنسل ہوتا آیا ہے۔ (جاری ہے............)

[1] انسانی تاریخ میں اس کے نمونے فلاسفہ، حکماء، مصلحین بعض نیک طینت بادشاہوں، معلمینِ اخلاق، شعراء اور اصلاح کی علمبردار تحریکوں اور جماعتوں کی صورت میں نظر آتے ہیں جن کی اسلام سے پہلے کی تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً فلاسفہ وحکمائے یونان میں سقراط، افلاطون، ارسطو دیوجانس وغیرہ مقننین وبادشاہوں میں تمورابی، سولف، مہاراجہ اشوک، اور نوشیرواں عادل وغیرہ۔

آپ کے دینی مسائل کاحل — ادارہ

منت اور غیر منت کے بکرے کے صدقہ وذبح کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

﴿۱﴾......آج کل ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ کسی شخص پر کسی قسم کی مصیبت یعنی آسیب یا حادثات یا بیماری ہو اس کو دور کرنے کے لئے بکرا صدقہ کے طور پر ذبح کر کے دیا جاتا ہے کیا ایسا کرنا درست ہے؟

﴿۲﴾......اگر کسی نے بیمار کی شفایابی یا کسی دوسرے کام کے ہونے پر بکرے کے صدقہ یا ذبح کرنے کی نیت کر لی ہو یا منت مان لی ہو تو کیا اس کو پورا کرنا ضروری ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب :......﴿۱﴾......آج کل بہت سے لوگ بیماری، پریشانی یا کسی حادثے کے وقت بکرے کے صدقے اور اس کے ذبح کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قربانی اور عقیقہ اور حج میں دم کے علاوہ کسی دوسری جگہ جانور ذبح کرنے یا کسی خاص چیز کا صدقہ دینے کو شریعت نے متعین نہیں کیا۔ کسی پریشانی، مصیبت، یا بیماری وغیرہ سے حفاظت کے لئے احادیث میں صدقہ کرنے کی ترغیب آئی ہے، آفات وبلیات کے دور ہونے میں صدقہ کرنا خاص اثر رکھتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَاکِرُوْا بِالصَّدَقَةِ، فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَایَتَخَطَّی الصَّدَقَةَ (رواہ الطبرانی فی الاوسط عن علی، والبیھقی فی شعب الایمان عن انس، از الجامع الصغیر ج۳ باب حرف الباء، حدیث نمبر ۳۱۲۲، تصحیح السیوطی ضعیف، کذافی کنزالعمال ج۲ حدیث نمبر ۶۲۴۳)

ترجمہ: ’’صدقہ میں جلدی کرو، کیونکہ بلاء (مصیبت، آفت، سختی، دکھ، قہر) صدقہ سے پھلانگ کر نہیں جاسکتی‘‘

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ صدقہ بلاء کی گردنیں پھلانگ کر چلا جاتا ہے (کنزالعمال ج٦، حدیث نمبر ١٦٢٩٥، بحوالہ ابوالشیخ) مطلب یہ ہے کہ صدقہ آفات وبلیات پر غالب آجاتا ہے، اور آفات وبلیات صدقہ پر غالب نہیں آتیں۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّدَقَةُ تَمْنَعُ سَبْعِیْنَ نَوْعًا مِّنْ اَنْوَاعِ الْبَلَاءِ اَهْوَنُهَا الْجَذَامُ وَالْبَرَصُ (اخرجہ الخطیب فی التاریخ عن انس، از الجامع الغیر ج۴ فصل المحلی بال من حرف الصاد، تصحیح

السیوطی ضعیف، کذافی کنز العمال ج۶ حدیث نمبر ۱۵۹۸۲)

ترجمہ: ’’صدقہ ستر قسم کی آفات وبلیات کو روکتا ہے، ان میں سے کم درجہ کی آفت کوڑھ اور برص کی بیماری ہے‘‘

ایک روایت میں ہے:

اَلصَّدَقَةُ تَسُدُّ سَبْعِيۡنَ بَاباً مِّنَ السُّوۡءِ (فیض القدیر للمناوی ج۴، حدیث نمبر ۵۱۴۲، بحواله طبرانی عن رافع بن خدیج، قال الهیثمی فیه حماد بن شعیب وهو ضعیف)

ترجمہ: ’’صدقہ برائی کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے‘‘

ستر کے عدد سے خاص ستر کی تعداد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، یعنی صدقہ بہت سی آفات وبلیات اور برائیوں سے بچاتا ہے۔

بہرحال یہ اور اس جیسی دوسری احادیث سے صدقہ کے ذریعہ سے بلاؤں اور آفتوں سے حفاظت کا ہونا معلوم ہوتا ہے، بعض روایات اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف بھی ہیں، لیکن اس کی وجہ سے صدقہ کی اہمیت وفضیلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن یہ فضیلت صحیح اور شرعی صدقہ کی ہے اور کسی بھی حدیث وروایت میں صدقہ کے لئے بکرے یا کسی جانور کی تخصیص بلکہ ذکر تک نہیں ہے، اس لئے صدقہ اس چیز کا کرنا چاہئے جس سے غریبوں اور محتاجوں وضرورتمندوں کی زیادہ بہتر طریقہ پر مدد ہو، صدقہ دراصل غریبوں کی ضروریات پوری کرنے اور ان کا بہتر طریقہ پر تعاون کرنے کا نام ہے، اسی لئے شریعت نے صدقہ کے لئے بکرے یا کسی دوسری چیز کو مخصوص نہیں کیا کیونکہ غریبوں کی ضروریات مختلف قسم کی ہوتی ہیں لیکن آج لوگوں نے ہر حال میں بکرے کا ہی صدقہ ضروری سمجھ رکھا ہے، عوام میں بکرے کے صدقہ کرنے کی جو رسم چلی ہوئی ہے اس میں کئی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں مثلاً:

● ......صدقہ کے وسیع مفہوم کو نظر انداز کر کے بکرے ہی کو لازم وضروری سمجھا جانے لگا ہے اور بکرے کو دوسری چیزوں پر ترجیح دی جانے لگی ہے خواہ غریبوں اور دینی اداروں کی دوسری ضروریات ہی کیوں نہ ہوں اور بکرے یا گوشت کی غریبوں اور دینی اداروں کو ضرورت نہ بھی ہو، جبکہ شریعت نے صدقہ کو کہیں بھی بکرے کے ساتھ خاص نہیں کیا اور نہ ہی بکرے کو ہمیشہ اور ہر حال میں دوسری چیزوں پر فضیلت دی ہے، بکرے کو مخصوص کر لینے کی وجہ سے غریبوں کی ضروریات کا لحاظ نہیں ہوتا کیونکہ غریبوں کی مختلف ضروریات ہوتی ہیں مثلاً لباس، کپڑے کی ضرورت، مسافر کو کرایہ کی ضرورت، بیمار کو علاج اور دوا کی ضرورت

اورغریب کوآج کے بجائے کل پیش آنے والی ضروریات وغیرہ وغیرہ ، اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ بکرے سے اور وہ بھی ذبح ہونے کے بعد غریب لوگ اور دینی ادارے اپنی ہرقسم کی موجودہ یا آئندہ کی ضروریات پوری نہیں کرسکتے اور بالفرض غریبوں کوکھانے کی ہی ضرورت ہوتب بھی صرف بکرے یا گوشت سے اپنے پیٹ کونہیں بھر سکتے بلکہ روٹی وغیرہ کی پھر بھی ضرورت رہتی ہے، پھر بہت سے غریب لوگ گوشت کے بجائے کھانے کی دوسری چیزوں کو پسند کرتے ہیں یا غریب بیمار کا بسااوقات گوشت سے پرہیز ہوتا ہے، نیز بکرے کوکھانے کے لائق بنانے کے لئے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے(کھال اتارنا، بوٹیاں بنانا،صاف کرنا، پھراس کوپکا کر تیار کرنا وغیرہ وغیرہ)اس کے برعکس اگراتنی ہی رقم دے دی جائے تواس سے آج کے دور میں اپنی موجودہ یا آئندہ مختلف قسم کی ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں اورایک سے زیادہ ضروریات ہوں تو وہ بھی پوری ہوسکتی ہیں● ......اس میں عام طور پر دکھلاوا پیدا ہوجاتا ہےاس کے برعکس نقد رقم ایسی چیز ہے کہ اس سے غریب اپنی ہرقسم کی ضرورت پوری کرسکتا ہے اورچپ چاپ اخلاص کے ساتھ اس کا صدقہ ہوسکتا ہے اورغریب آئندہ کی ضرورت کے لئے بھی رکھ سکتا ہے، اورآسانی سے دوسری جگہ بھی ساتھ میں لے کر جاسکتا ہے جبکہ بکرے میں یہ باتیں بآسانی پائی جانا مشکل ہیں۔

● ...... دنیا میں پریشانی ،مصیبت یا بیماری وحادثات کا سامنا تو ایسے غریبوں کوبھی ہوتا ہے جو بکرے کی استطاعت نہیں رکھتے ،ایسی صورت میں یا تو وہ صدقہ کرنے سے محروم رہتے ہیں یا پھر قرض وغیرہ لے کر بکرے کے صدقہ پرمجبور ہوتے ہیں حالانکہ صدقہ اپنی استطاعت وقدرت کے مطابق ہرایک کرسکتا ہے اور یہ مستحب عمل ہے جس کی خاطر قرض لینے کی اجازت نہیں اور یہ خرابی بکرے کی تخصیص سے پیدا ہوئی۔

● ......نقدی کے بجائے بکرے کے صدقہ میں غریبوں کے علاوہ خود صدقہ کرنے والے کی محنت اوروقت کا بھی بے جا ضیاع ہے، کیونکہ نقدی وغیرہ تو اپنے پاس موجود ہوتی ہے جس سے بکرا خریدکیا جاتا ہے، اگروہی رقم دے دی جائے تو بکرے کی خریداری اوراس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی پریشانیوں اوربکھیڑوں سے بھی نجات مل جاتی ہے●......اس صدقہ میں خاص بکرے کے ذبح کرنے کو آفتوں ، بلاؤں اور بیماریوں کے دورکرنے میں مؤثر سمجھا جاتا ہے ،حالانکہ صدقہ میں بکرے یا کسی جانور کا ذبح کرنا یا خون بہانا ذرہ برابر بھی بلاؤں کے دورکرنے میں مؤثر نہیں،اور یہ لوگوں کا خودساختہ عقیدہ ہے ،صدقہ میں اصل چیز ضرورت مندوں کی اعانت اورتعاون ہے●......بعض لوگ جانور کے

ذبح کرنے کو خون بہایا جان کا بدلہ جان سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ الا بلا بکرے کی جان پرٹل جاتی ہے'' الا بلا برسرِ بکرا'' یہ بھی غیر شرعی حرکت ہے ، اور صدقہ کی روح سے ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ یہ جانور یا اس کا ذبح کرنا اور خون بہانا ہرگز بھی جان کا بدلہ نہیں بنتا●......بعض لوگ بذاتِ خود بکرے کے ذبح کرنے کو ہی اصل صدقہ سمجھنے لگے ہیں اسی وجہ سے غریبوں کو زندہ دینا گوارا نہیں اور اگر معلوم ہو جائے کہ غریب اس کو زندہ رکھ کر کسی دوسری طرح اس سے فائدہ اٹھائے گا ، یا کسی کو فروخت کردے گا یا صدقہ وھبہ وغیرہ کردے گا اور ذبح نہیں کرے گا تو اس کو صدقہ دینا ہرگز گوارا نہیں کرتے ، یہ تنگ نظری بھی صدقہ کے فلسفہ کے خلاف ہے●......صدقہ کے لئے بکرے کے ذبح کو ضروری سمجھنے میں علاوہ ایک جانور کی جان کے بے جا ضیاع کے مال کا اتلاف اور ضیاع بھی پایا جاتا ہے، اور وہ اس طرح کہ زندہ بکرے کی خرید میں جتنی رقم خرچ ہوتی ہے، غریبوں تک اس پوری رقم کا فائدہ نہیں پہنچتا، چنانچہ ذبح ہونے کے بعد اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے یعنی اگر اتنی مقدار میں بازار سے گوشت خریدا جائے تو زندہ جانور سے غیر معمولی کم قیمت میں حاصل ہو جائے ، لہٰذا جتنی مالیت جانور ذبح ہونے میں تلف ہوگئی اس کا فائدہ غریبوں تک بھی نہیں پہنچا اور صدقہ کا ثواب نہ ملا ، اور اگر کھال وغیرہ گوشت بنانے کی اجرت میں چلی گئی اسی طرح سری ، پائے ، کلیجی وغیرہ بھی استعمال میں نہ آئے (جیسا کہ عام طور پر اُن اداروں میں ضائع چلے جاتے ہیں جہاں کثرت سے صدقہ کے بکرے آتے ہیں) تو اتنی مقدار بھی صدقہ کے مفہوم سے خارج ہوگئی ، اور رہی سہی مقدار جو غریبوں کے ہاتھ لگی وہ ہی اصل صدقہ ہے، مگر غلط عقیدہ کی وجہ سے اتنی مقدار کے صدقہ سے بھی محرومی کا قوی اندیشہ ہے●......بعض اداروں میں جہاں بکروں کی آمد بکثرت ہوتی ہے، گوشت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسی گوشت کو اور اگر زندہ بکرے ہوں تو انہیں بہت سستے داموں فروخت کردیا جاتا ہے ، اور اصل گوشت کی بازاری قیمت بھی مستحقین کے ہاتھ نہیں لگتی ، اور گوشت کی فراوانی اور شکم سیری کے باعث ایسے اداروں میں دوسرے طریقوں سے بھی گوشت کی ناقدری ہوتی ہے●......بکرے کا گوشت بڑے گوشت اور عام سبزی ودال کے مقابلہ بہت گراں قیمت میں حاصل ہوتا ہے، اور زندہ جانور کی مالیت عموماً ذبح شدہ بازاری گوشت سے بھی زیادہ ہوتی ہے، اور غریبوں کی ضرورت بڑے گوشت ، یا دال اور سبزی سے بھی پوری ہوسکتی ہے، اگر اتنی مالیت کی نقدی غریبوں کو صدقہ دی جائے تو وہ اس کے ذریعہ سے اپنے صرف کھانے کی ضرورت کئی کئی وقتوں بلکہ کئی کئی دنوں تک پوری کرسکتے ہیں،

جبکہ بکرے کی مروجہ رسم میں خرچ کردہ مالیت ایک وقت میں ہی ہضم ہوجاتی ہے، اس لئے بھی مروجہ بکرے کے صدقہ کی رسم کے بجائے نقدی یا دوسرے ضرورت کے مال سے صدقہ کرنا زیادہ فائدے اور فضیلت کا باعث ہے ●...... عام صدقہ وخیرات مستحب اور زیادہ سے زیادہ سنت عمل ہے، اور شریعت کا اصول ہے کہ اگر کسی سنت ومستحب عمل میں مفاسد پیدا ہوجائیں تو اس کا ترک کرنا ضروری ہوجاتا ہے، کیونکہ مفاسد کے ساتھ اس عمل کو انجام دینا ثواب کا باعث نہیں رہتا بلکہ الٹا گناہ کا باعث ہوجاتا ہے، اور جانور کے صدقہ کی مروجہ رسم میں ایک کے بجائے کئی مفاسد شامل ہوگئے ہیں، جن کی وجہ سے اب یہ ثواب کے بجائے گناہ کا باعث ہوگیا ہے، اس سے بہتر تھا کہ صدقہ کیا ہی نہ جاتا، کیونکہ اس صورت میں کوئی گناہ نہیں تھا، اور اگر کرنا ہی تھا تو ایسے طریقہ پر کیا جاتا جس سے صدقہ کا مقصد اور ثواب تو حاصل ہوتا، اور اس کا بہتر طریقہ نقدی کی شکل میں تھا ●...... بعض لوگ بکرے میں کالے رنگ کو ضروری یا افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ اگر ذرا سا رنگ بھی غیر سیاہ ہو تو اس کو صدقہ میں کم فضیلت یا افادیت کا باعث سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے صدقہ کے لئے کالے رنگ والے بکروں کی قیمت دوسرے رنگ کے بکروں سے زیادہ ہوتی ہے، عوام کا عقیدہ اس سلسلہ میں یہ ہوگیا ہے کہ بلا اور مصیبت اُن کے تصور میں سیاہ اور کالے رنگ کی ہوتی ہے اور سیاہ رنگ کا بکرا اس بلاء کو دور کرنے اور اپنے ساتھ لے جانے میں زیادہ تاثیر رکھتا ہے کیونکہ دونوں طرف سے رنگ کی مناسبت وموافقت ہوجاتی ہے اور یہ تصور بدعت ہے اور اس خرابی کی بنیاد جانور کا بیماری اپنی جان کے ساتھ لے جانے کا فاسد عقیدہ ہے ●...... بعض لوگ مریض یا مصیبت زدہ شخص کا بکرے یا ذبح کرنے والی چھری پر ہاتھ پھیرنے کا اہتمام کرتے ہیں یہ بھی دین پر زیادتی اور بدعت ہے ●...... بعض لوگ اس بکرے کو مریض کے قریب ذبح کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں یہ بھی غلط ہے ●...... بعض لوگ مریض کے سر کے اوپر سے بکرے کی سری گُھماتے ہیں اور پھر اس کو غریبوں کو دیتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں ●...... بعض جگہ بارات کی روانگی کے وقت بکرا ذبح کرکے اس کے خون کے اوپر سے دولہا کو گزارا جاتا ہے، اسی طرح بارات کی واپسی پر بکرا ذبح کرکے اس کے اوپر سے دولہن کو گزارا جاتا ہے، تاکہ آفات وبلیات اس بکرے کی جان کے ساتھ چلی جائیں ●...... بعض لوگ بکرا ذبح کرنے کے بعد اس کے یا اس کے خون کے اوپر سے مریض یا مصیبت زدہ کو گزارتے ہیں یہ بھی جہالت کی رسم ہے ●...... اسی طرح بعض جگہ مکان وغیرہ کی بنیاد یا در ودیوار کے ساتھ بکرے کو ذبح کرکے اس کا

خون ڈالتے ہیں یہ بھی جہالت کی بات ہے،اوران سب خرابیوں کی بنیاد وہی جانور کی جان اورخون کے ساتھ آفات وبلیات کے رخصت ہوجانے کا فاسد عقیدہ ہے●...... بہت سے لوگ سستے داموں کی خاطر بکری کے چھوٹے چھوٹے دودھ پیتے بچوں کواس رسم کی خاطر ذبح کردیتے ہیں جن کا گوشت طبی طور پر نقصان دہ ہونے کےعلاوہ ان بچوں پرایک طرح کاظلم بھی ہے،جس کا وبال سخت ہے،شریعتِ مطہرہ نے بکرے کے لئے قربانی میں جوایک سال کی قید لگائی ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاضرورت اس سے کم عمر کے بکروں کوذبح کرنا پسندیدہ عمل نہیں،اور یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا کہ صدقہ میں جانور کاذبح کرنا ضرورت نہیں اور جہاں ذبح ضروری ہے(مثلاً قربانی،عقیقہ وغیرہ)وہاں بکرے کی ایک سال عمر ہونا ضروری ہے،اور جب عمر مکمل ہونے سے پہلے پورے سال ملک بھر میں لاکھوں کی تعداد میں صدقہ کےطور پر بکرے ذبح کئے جائیں گے تو اس کا اثر قربانی کے موقع پر قیمت کی گرانی اورکم یابی کی صورت میں ظاہر ہونااورمتوسط طبقہ کواپنا واجب قربانی کا فریضہ ادا کرنے میں مشکل پیش آنا بھی ظاہر اورواضح ہے۔

اور یہ سب خرابیاں بکرے کے ذبح کومقصود،ضروری یا آفات وبلیات سے حفاظت کا ذریعہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہورہی ہیں۔غرضیکہ بکرے کے صدقہ کی اس مروجہ رسم میں اس قسم کی تمام رسمیں غلط ہیں جن میں بجائے ثواب کے گناہ ہے۔ان میں بعض چیزیں حرام اور بدعت ہیں اوربعض شرک کے قریب پہنچادینے والی ہیں۔جب بکرے کی رسم میں اتنی خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں تو بکرے کے بجائے نقدی کی صورت میں صدقہ کرنا چاہئے یا کسی اورضرورت کی چیز سے صدقہ کرنا چاہئے،اگرکوئی شخص خرابیوں سے بچ کر بھی بکرا صدقہ کرے تب بھی قولی یاعملی طور پراس رسم کی تائید ہوتی ہےاورمروجہ رسم کوتقویت پہنچتی ہے،لہٰذاان تمام پابندیوں کوچھوڑ کرصدقہ میں شریعت کی دی ہوئی آسانی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ صدقہ سے منع کرنایاروکنا ہرگز بھی مقصد نہیں، بلکہ صدقہ کا ثواب ضائع ہونے اورصدقہ کے بجائے گناہ لازم آنے سے بچانااورصدقہ کا صحیح طریقہ بتلانا مقصد ہے،جیسا کہ کوئی قبلہ کی طرف رُخ کرنے کے بجائے قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھےاوراُس کواس طرح نماز پڑھنے سے منع کیا جائے تواس منع کرنے کا مقصدنماز سے منع کرنا نہیں ہوگا بلکہ نماز کوغلط پڑھنے اورنماز کو ضائع کرنے سے روکنااورنماز کاصحیح طریقہ بتلانا ہوگا۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اہلِ علم اور اس مسئلہ سے واقف حضرات قوم کو اس جہالت اور اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں، یا اب بھی مزید خرابیوں کے پیدا ہونے میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے۔

اب اہلِ علم حضرات کے اطمینان کے لئے صدقہ کی مروجہ رسم کے غیر شرعی ہونے پر مستند اکابرین کے فتاویٰ اور معتبر کتب کے چند حوالہ جات تحریر کئے جاتے ہیں:

امداد الفتاویٰ میں ایک سوال وجواب جو فارسی زبان میں ہے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

''**سوال**:...... کیونکہ ہمارے علاقہ میں عوام وخواص لوگوں میں یہ رسم ہے کہ جب کسی مریض کے سر پر کوئی بیماری یا مصیبت آن پڑے یا کوئی حادثہ ہو جائے تو صدقہ کی غرض سے بلاؤں کو دور کرنے کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں یا یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ العالمین اس مریض کو شفا عطا فرمایئے، ہم اس جانور کو خدا تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے ہیں، کیونکہ اس موقع پر خاص رحم وکرم کا نزول مقصود ہوتا ہے، جانور پر غضب مقصود نہیں ہوتا، کیا یہ رسم جائز ہے کہ ناجائز، خیر القرون کے زمانہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں؟''

''**جواب**:...... اگرچہ اس عادت کا خیر القرون میں ہونا نظر سے نہیں گزرا، مگر قواعدِ کلیہ شرعیہ کی طرف نظر کرنے سے اگرچہ فی نفسہٖ جواز کا حکم ہونا چاہئے، لیکن بعض عوارض کی وجہ سے اس عمل کے بدعت ہونے پر فتویٰ دینے کا میرا معمول ہے، اور وہ عارض یہ ہے کہ اکثر لوگ اس عمل میں محض صدقہ کرنے کو نافع نہیں سمجھتے، بلکہ جانور کے ذبح کرنے اور اس کے خون بہانے کو مریض کی جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، اور یہ چیز غیر قیاسی ہے، جس کے لئے نص کی ضرورت ہے، اور کوئی نص اس بارے میں موجود نہیں اور اکثر لوگوں کے اس اعتقاد کی دلیل یہ ہے کہ وہ جانور کی قیمت کے بقدر اتنی رقم صدقہ کرنے پر راضی نہیں ہوتے، خاص جانور کے ذبح کو ہی ضروری سمجھتے ہیں (امداد الفتاویٰ ج۵ ص ۳۰۷)

معلوم ہوا کہ بکرے کے صدقہ میں عوام کا عقیدہ خلافِ شرع اور ناجائز ہے۔

امداد الفتاویٰ ہی میں ایک سوال وجواب اس بارے میں اس طرح ہے:

''**سوال**:...... زید سخت بیمار ہوا، اس وقت اس کے خویش واقارب نے ایک بکرا لا کر زید کی جانب سے ذبح کر کے اس کا گوشت لِلّٰہ فقراء کو تصدق کر دیا اور یہ عام رواج ہو گیا ہے اور اس طریقہ کو دم نام رکھا ہے، آیا یہ طریقہ شرعاً کیسا ہے؟ اور اس کا ثبوت کہیں ہے یا نہیں؟''

''**جواب**:...... چونکہ مقصود فدا (جان کا بدلہ) ہوتا ہے اور ذبح کی یہ غرض صرف عقیقہ میں ثابت ہے

اور جگہ نہیں اس لئے یہ طریقہ بدعت ہے (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۰۷)

فائدہ: ...... معلوم ہوا کہ جان کا بدلہ سمجھ کر جانور ذبح کر کے اس کا گوشت صدقہ کرنا بدعت ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ بدعت حرام ہے جس سے بچنا واجب ہے۔

امداد الفتاویٰ میں ہی ہے:

''**سوال نمبر۱**: ...... صدقہ میں علاوہ قربانی اور عقیقہ کے جان کے عوض جان ذبح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟''

''الجواب: ...... اس کی کوئی اصل نہیں''

''سوال نمبر۲: ...... اگر جائز ہے تو کونسی روایت سے اور ناجائز ہے تو کونسی دلیل سے؟''

الجواب: ...... دلیل یہی ہے کہ اراقۃِ دم قربت غیر مدرکہ بالقیاس ہے (یعنی خون بہانا ایسی عبادت ہے جس کی بنیاد قیاس پر نہیں) اس کے لئے نص کی ضرورت ہے اور نص اس بابِ خاص میں وارد نہیں'' (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۰۸)

''اراقۃِ دم قربتِ غیر معقولہ ہے اور غیر معقول محلِ قیاس نہیں'' (امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۶۲۲)

ایک موقع پر بیان فرماتے ہیں:

''بعض لوگ بیمار کی طرف سے جو بکری وغیرہ ذبح کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ اس میں محض صدقہ مقصود نہیں ہوتا، بلکہ خود ذبح کو شفاء میں اس خیال پر مؤثر سمجھا جاتا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے گا، اور یہ شرع میں بجز (علاوہ) عقیقہ کے کہیں معہود نہیں، اور اگر عقیقہ پر قیاس کرنے لگیں تو اس پر اس کا قیاس ہو نہیں سکتا کیونکہ عقیقہ تو خود خلافِ قیاس مشروع ہے، دوسری چیز کا قیاس اس پر صحیح نہیں جیسا کہ اصول میں مذکور ہے'' (ملفوظات مقالاتِ حکمۃ حصہ اول ص ۱۶)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''آفات اور بیماری سے حفاظت کے لئے صدقہ و خیرات کی ترغیب آئی ہے، مگر عوام کا اعتقاد اس بارے میں یہ ہو گیا ہے کہ کسی جانور کا ذبح کرنا ہی ضروری ہے، جان کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے اگر کوئی یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو تو بھی اس میں چونکہ اس عقیدے اور بدعت کی تائید ہے، لہٰذا ناجائز ہے، اور کسی قسم کا صدقہ و خیرات کر دے، شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے سوا اور کہیں بھی جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، یہ غلط عقیدہ اچھے اچھے

دیندار لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے، اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس کی اصلاح پر خاص توجہ دیں، اور مدارسِ دینیہ میں اس قسم کے جو بکرے دیئے جاتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں، علماء کی چشم پوشی اور ایسے بکروں کو قبول کر لینے سے اس گمراہی کی تائید ہوتی ہے (احسن الفتاویٰ ج ا ص ۳۶۷)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے مذکورہ فتوے سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

◆ آفات و بلیات اور بیماری سے حفاظت کے لئے صدقہ و خیرات کی ترغیب آئی ہے، مگر عوام اس مفہوم کو چھوڑ کر ذبح کو ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ ذبح کا عمل صدقہ نہیں ◆ عوام اس جانور کو جان کا بدلہ سمجھتے ہیں، حالانکہ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، اس لئے یہ عوام کی خود ساختہ بدعت ہے ◆ اگر کسی کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو، تب بھی جانور صدقہ کرنے سے اس غلط عقیدے اور بدعت کی تائید ہوتی ہے، لہٰذا عقیدہ صحیح ہونے کی صورت میں بھی جائز نہیں، جانور کے بجائے کسی اور مال سے صدقہ کر دیا جائے ◆ شریعت میں قربانی اور عقیقہ کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر جانور کا ذبح کرنا ثابت نہیں، اور عوام کا اس طرح جانور کو ذبح کرنا قربانی اور عقیقہ کے علاوہ ہے، لہٰذا بدعت ہوا ◆ جانور کے ذبح کو مقصود اور جان کا بدلہ جان سمجھنے کے اس فاسد عقیدے میں اچھے اچھے دیندار لوگ بھی مبتلا ہو گئے ہیں، اور یہ خرابی عوام سے لے کر دیندار لوگوں تک پہنچ چکی ہے، اس لئے علماء پر لازم ہے کہ اس اہم خرابی اور بدعت کی اصلاح پر خاص توجہ فرمائیں ◆ دینی مدارس میں جو اس قسم کے بکرے آتے ہیں ان کو ہرگز قبول نہ کریں (یا تو واپس کر دیں یا کم از کم عقیدہ کی اصلاح اور آئندہ کے لئے اس خرابی سے بچنے کی تاکید کے ساتھ ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر قبول کر لیں) ◆ علماء کی اس خرابی پر خاموشی بلکہ اس سے بڑھ کر چپ چاپ ایسے بکروں کو دینی مدارس کے لئے قبول کر لینے کی وجہ سے اس گمراہی کی تائید ہوتی ہے۔

﴿۲﴾...... اگر کسی نے نیت کر لی کہ میرا فلاں کام ہو جائے مثلاً بیمار صحت یاب ہو جائے، یا فلاں مسئلہ حل ہو جائے تو ایک بکرا صدقہ میں دوں گا، تو کیا وہ کام ہو جانے کے بعد کی گئی نیت کے مطابق بکرا دینا ضروری ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں ہوگا، کیونکہ صرف نیت کر لینے سے کوئی کام لازم نہیں ہوتا، اور صرف نیت کر لینا شرعاً نذر (یعنی منت) نہیں، البتہ اگر کوئی اپنی نیت کے مطابق عمل کرنا چاہے تو اس کے لئے افضل اور بہتر اور زیادہ کارِ خیر کی بات یہ ہوگی کہ درمیانی درجہ کے بکرے کی قیمت یا اتنی مالیت کی کوئی ایسی چیز جو غریبوں کے لئے زیادہ کارآمد ہو صدقہ کر دے۔

اسی طرح اگر کسی نے نیت کے بجائے زبان سے نذر (منت) مان لی ہو کہ اگر فلاں کام ہو گیا مثلاً فلاں مسئلہ حل ہو گیا تو ایک بکرا صدقہ دوں گا، یا ایک بکرا ذبح کروں گا تو کیا اس صورت میں اس کو بکرا دینا یا بکرا ذبح کرنا ضروری ہوگا؟ اس کا جواب بھی نفی میں ہے، یعنی اس صورت میں بھی نہ تو خاص بکرا صدقہ کرنا ضروری ہوگا اور نہ ہی ذبح کرنا ضروری ہوگا، اور اصل منت اتنی مالیت کے صدقہ کے ساتھ متعلق ہوگی اور اگرچہ مذکورہ صورت میں مسئلہ کی رو سے فی نفسہٖ زندہ یا ذبح کر کے بکرا صدقہ کرنا بھی جائز تھا، مگر بکرے کے صدقے میں پیدا شدہ خرابیوں اور مفاسد کی بناء پر کسی دوسری مالیت سے صدقہ کرنا ہی متعین ہو جائے گا، کیونکہ مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے جہاں ایک طرف صدقہ کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے، اسی کے ساتھ گناہ بھی لازم آ جاتا ہے ''لِقَوْلِہٖ تعالیٰ لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی''

اس مسئلہ کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے۔

عباداتِ مالیہ میں اصل عباداتِ مقصودہ ذبح کرنا نہیں (لانہ اتلاف) بلکہ صدقہ کرنا ہے، البتہ جہاں ذبح کرنا عباداتِ مقصودہ کے طور پر ثابت ہو وہاں ذبح کرنا ضروری ہے، اور ذبح کا عبادتِ مقصودہ ہونا قربانی، حج میں دمِ شکر و دمِ جنایت اور عقیقہ کے علاوہ کہیں ثابت نہیں، اور منت معتبر ہونے کے لئے جہاں شرعاً یہ ضروری ہے کہ جس چیز کی منت مانی جائے اس جنس کی کوئی عبادت شرعاً فرض، واجب ہو، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ جس چیز کی متعین طریقہ پر منت مانی جا رہی ہے وہ بذاتِ خود عبادتِ مقصودہ ہو۔

اور یہ بات جانور کے مروجہ صدقہ کے اندر پائی نہیں جاتی (کیونکہ نہ تو یہ عیدالاضحیٰ والی قربانی ہے اور نہ حج والی اور نہ ہی یہ عقیقہ ہے) اور عرف و رواج میں بھی بکرے کے صدقہ یا ذبح سے مقصود اس کے گوشت کا صدقہ ہوتا ہے، اسی لئے ذبح کے بعد اس کے گوشت کا صدقہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور اگر ذبح مقصود ہوتا تو جانور میں قربانی والی شرائط کا لحاظ کرتے اور اگر پھر بھی کہا جائے کہ اس سے مقصود ذبح ہے تو جانور میں قربانی والی شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا، **لانہ ھو المعھود** ۔اس لئے شرعاً و عرفاً خاص بکرے کا صدقہ یا اس کو ذبح کرنا ضروری نہیں، اتنی مالیت کی رقم یا کوئی اور چیز صدقہ کر دی جائے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قربانی سے مراد اگر مطلق ذبح ہے تب تو کسی زمان کی قید نہ ہوگی اور اگر تضحیہ (قربانی) مراد ہے تو ایامِ نحر (قربانی کے دنوں) کی قید ہوگی، اور نیز ذبح مراد لینے میں یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح

کر کے تصدق (صدقہ) کرے یا بکری کی قیمت کا تصدق کردے اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح وتصدق کرے، خواہ وہ قیمت تصدق کردے، اور اگر تضحیہ (قربانی) مراد لیا ہے اور پھر بیچ ڈالا تو اگر کسی خاص سال کی قید لگائی تھی تو اس کی قیمت کا تصدق کردے، اور اگر تضحیہ میں کسی سال کی قید نہ لگائی تھی تو ایامِ نحر میں اُس قیمت کی بکری خرید کر قربانی کرے، **و کل ھذا ظاھر من القواعد**'' (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۸، ۵۵۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ذبح کرنا غیر ایامِ اضحیہ میں قربتِ مقصودہ نہیں، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ منذور بہ کا قربتِ مقصودہ ہونا چاہئے، پس اگر نذر بالذبح میں صرف ذبح سے پوری ہو جائے تو لازم آتا ہے کہ منذور بہ غیر قربۃِ مقصودہ ہو وھو باطل، اس سے معلوم ہوا کہ تصدق کو لازم کیا جائے گا، تاکہ اس کے انضمام سے وہ قربۃِ مقصودہ ہو جائے، اس قاعدہ سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ تصدق واجب ہوگا، نیز ناذر کا قصد اس نذر ذبح سے یقیناً تصدق کا ہوتا ہے، پس عرفاً **نذر بالذبح کالفظ مستعمل نذر لمجموع الذبح والتصدق** میں ہے، اور اس مجموع کے نذر میں فقہاء نے انعقادِ نذر کی تصریح کی ہے'' (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۵۷)

اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اضحیہ کے سوا نذرِ ذبح سے نذرِ تصدقِ لحم مقصود ہے، ورنہ نفسِ ذبح کی نذر صحیح نہیں، اس لئے کہ اضحیہ کے سوا ذبحِ حیوانات عبادتِ مقصودہ نہیں، جب ذبح مقصود نہیں بلکہ تصدقِ لحم مقصود ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ ذبحِ حیون واجب نہیں بلکہ اختیار ہے چاہے یہ بکرا ذبح کر کے گوشت صدقہ کرے یا بکرا زندہ صدقہ کردے یا اس کی قیمت صدقہ کرے یا قیمت کے برابر کوئی دوسری چیز'' (احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۸۳، کتاب الایمان)

دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

''اصولِ شرع کے تحت بھی یہی صحیح ہے کہ نذر ذبح میں لحم واجب التصدق ہے، نذر تضحیہ میں نہیں، البتہ نذر تضحیہ میں تصدق لحم کی نیت بھی کی ہو تو تصدق واجب ہوگا۔

نذر ذبح ونذر تضحیہ میں یہ تفریق اصولاً اس لئے لازم ہے کہ نذر تضحیہ میں اگر تصدقِ لحم کی

نذر نہیں کی تو یہ واجب التصدق کیوں ہوا؟ وجوبِ تضحیہ وجوبِ تصدق کو مستلزم نہیں اور نذر ذبح میں فعلِ ذبح عبادت نہیں، اس لئے نذرِ ذبح تصدق لحم کو مستلزم ہے، ورنہ فعل عاقل کا ابطال لازم آتا ہے جو عقلاً وشرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ نذر ذبح میں نذر تصدق کا عرف ہے، اگر یہ عرف نہ بھی ہوتا تو بھی تصحیح فعل عاقل کے لئے عقلاً وشرعاً اس کو نذر تصدق قرار دیا جائے گا۔ غرضیکہ نذر ذبح کا نذر تصدق کو مستلزم ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو یہ نذر ہی صحیح نہیں، اور استلزام تسلیم کرلیا جائے تو صحت نذر و وجوبِ تصدق دونوں اصولِ شرع کے مطابق ہیں۔ فعل ذبح عبادت نہ ہونے کے باوجود اس کی نذر صحیح ہونے میں اشکال کا جواب امداد الفتاویٰ میں یوں دیا ہے: ''اس میں ورودِ نص کی وجہ سے اس کی صحت خلافِ قیاس ہے'' (احسن الفتاویٰ ج ۷ ص ۵۲۷)

آخر میں اہلِ علم کی دلچسپی کے لئے اس سلسلہ میں چند علمی واصولی باتیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱)......عبادتِ مالیہ یا تقرب بالمال کی دو قسمیں ہیں، ایک بطریقِ تملیک، جیسے زکوٰۃ وصدقات، دوسرے بطریقِ اتلاف جیسے غلام آزاد کرنا، اور اضحیہ میں (حج میں دمِ شکر و دمِ جنایت اور عقیقہ حکماً اضحیہ میں داخل ہے) تملیک و اتلاف دونوں عناصر پائے جاتے ہیں، اتلاف بشکلِ ذبح، اور تملیک بشکلِ گوشت تبرعاً۔ مندرجہ بالا دونوں قسموں کو تقرب بالتصدق اور تقرب باراقۃِ الدم سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں، قربانی میں اراقۃِ دم اصل ہوتا ہے اور صدقہ میں تملیک اصل ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صدقہ میں اصل تقرب تملیکِ فقیر سے حاصل ہوتا ہے، اور اس میں اراقۃِ دم یعنی خون بہانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، جیسا کہ حج کی جنایات میں بعض جگہ صدقہ اور بعض جگہ دم لازم کیا گیا ہے اور حج میں دونوں ایک دوسرے کے مقابل یعنی قسیمین ہیں، لہٰذا جانور کے مروجہ صدقہ میں تقربِ مالیہ کی ایک قسم کو دوسری قسم میں شامل کر دینا ہے اور اگر ذبح کو ہی اصل مقصود وصدقہ سمجھ لیا جائے تو تقربِ مالیہ کی اقسام میں تحریف کر دینا ہے، جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہے کہ اتنی مقدار کا بازار سے گوشت خرید کر صدقہ کرنا گوارا نہیں کیونکہ اس صورت میں ذبح و اراقۃِ دم نہیں پایا جاتا، جو شریعت پر زیادتی ہونے کی وجہ سے بدعت اور بلا ضرورت اتلاف ہے جو بعید نہیں کہ اسراف کے مفہوم میں داخل ہو کر بھی ممنوع نہ ہو۔

✪ ......**اعلم بان القرب المالية نوعان نوع بطريق التمليك كالصدقات ونوع بطريق الاتلاف كالعتق ويجتمع فى الاضحية معنيان فانه تقرب باراقةِ الدم وهو اتلاف ثم بالتصدق باللحم وهو تمليك** (المبسوط ج ٦ الجزء الثانى عشر ص ١٠ باب الاضحية، كتاب الذبائح)

✪ ……اعلم ان القربة المالية نوعان نوع بطريق التمليك كالصدقات ونوع بطريق الاتلاف كالاعتاق والاضحية وفي الاضحية اجتمع المعنيان فانه يتقرب باراقة الدم وهو اتلاف ثم بالتصدق باللحم فيكون تمليكا (البحر الرائق ج۸ص ۱۷۳ کتاب الاضحية)

✪……اعلم ان القربة المالية نوعان نوع بطريق التمليك كالصدقات ونوع بطريق الاتلاف كالاعتاق والاضحية وفي الاضحيةاجتمع المعنيان فانها تقرب باراقة الدم وهو اتلاف ثم بالتصرف في اللحم يكون تمليكا واباحةً (تبيين الحقائق ج٦ص ۲ کتاب الاضحية ،سبب الاضحية وشرائطها)

(۲)……اگر نص نہ ہوتی تو قربانی میں بھی اصل اور قیاس کا تقاضا تصدق تھا،مگر نص کی وجہ سے قیاس سے عدول کر کے اتلاف ونقصانِ مالیت کی طرف رجوع کیا گیا (کما مر بحوالہ امداد الفتاویٰ وغیرہ)

اور جانور کی مروجہ رسم میں اتلاف وذبح کی کوئی نص موجود نہیں،لہٰذا یہاں اصلی تصدق ہی معتبر ہوگا،اور قیاس واصل سے عدول کرنا جائز نہ ہوگا۔

✪ ……التضحيةثبتت قربة بالنص واحتمل ان يكون التصدق بعين الشاة اوقيمتهااصلاً لانه هوالمشروع في باب المال كمافي سائرالصدقات الاان الشرع نقل من الاصل الى التضحية وهونقصان في المالية (كشف الاسرارج ۱ ص ۳۴۲ باب الامر،القضاء نوعان اما بمثل معقول واما بمثل غيرمعقول)

✪ ……الاصل في الاموال التقرب بالتصدق بهالابالاتلاف وهوالاراقة الاان الشارع نقله الى اراقة دمها مقيدة بوقت مخصوص حتى انه يحل اكل لحمهاللمالك والاجنبي والغني والفقير ،لان الناس اضياف الله تعالىٰ في هذاالوقت (الموسوعة الفقهية ،ماده اضحية)

(۳)……تقرب باراقۃِ دم کے لئے مخصوص شرائط ہیں،اگر وہ فوت ہوجائیں تو یہ تقرب باراقۃِ دم سے نکل کر تقرب بالتصدق کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔جبکہ جانور کی مروجہ صدقہ کی رسم میں سرے سے تقرب باراقۃِ دم کا وجود ہی نہیں،پھر اس میں خون بہانے کو تقرب یعنی عبادت وثواب سمجھنے کی کیسے گنجائش ہوسکتی ہے۔

✪ ……فاذافات معنى التقرب الى الله تعالىٰ باراقة الدم يتعين التقرب الى ا للهتعالىٰ بالتصدق وذالك بالصرف الى الفقراء دون الاغنياء (المبسوط للسرخسي ج۲الجزء الرابع ص ۱۶۲ باب النذر،عطب الهدى في الطريق ،كتاب المناسك)

✪ ……ولنا ان هذه (اى صدقة ا لفطر)صدقة مالية فلاسقط بعد الوجوب الابالاداء كزكاة المال ولانقول الاضحية تسقط بل ينتقل الواجب الى التصدق بالقيمة لان اراقة الدم لاتكون قربة الافي وقت مخصوص اومكان مخصوص ،فاماالتصدق بالمال فهوقربة في كل وقت (المبسوط للسرخسي ج ۲ الجزء الثالث ص ۱۲۲ باب صدقة الفطر)

﴿بقیہ صفحہ ۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کیا آپ جانتے ہیں؟ محمد امجد حسین صاحب

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

بیل گاڑی سے ریل گاڑی تک (قسط ۴)

1879ء کا سن وسال ہے، ستمبر کا مہینہ ہے، برطانوی ہند کی وائسرائے کونسل ایک اور بڑا اقدم اٹھاتے ہوئے یہ فیصلہ کرتی ہے کہ سکھر سے بلوچستان کی طرف بھی لائن ڈلوائی جائے جو پورے بلوچستان کے صحراؤں، بیابانوں کا سینہ چیرتی ہوئی افغانستان سے جا ملے، سکھر سے سبی، سبی سے کوئٹہ، کوئٹہ سے قندھار ریلوے لائن بچھائی جائے، اور یہ تو محض اس منصوبے کا پہلا مرحلہ تھا، ورنہ انگریزوں کا خواب جو کئی سال سے وہ دیکھ رہے تھے یہ تھا، کہ سکھر کے قریب ایک بہت بڑا ریلوے جنکشن بنا کر یہاں سے قندھار، کابل، وسطی ایشیا (ماوراء النہر) تک لائن بچھا کر ان سب علاقوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے، اس طرح خلیج بنگال اور بحیرہ عرب کے گرم پانیوں کے کنارے کلکتہ و بمبئی سے شروع ہونے والے سفر کا تسلسل وسطی ایشیاء اور یورپ تک قائم رہے، برصغیر کے تمام اطراف و جوانب کے مسافر سکھر پہنچیں اور پھر یہاں سے ریل کے ذریعے وسطی ایشیاء جا کر دم لیں اور وسطی ایشیاء سے قافلے ریلوں پر سوار ہو کر بحیرہ عرب اور خلیج بنگال کے ساحلوں پر آ کر رختِ سفر کھولیں، لیکن یہ خواب تعبیر سے آشنا نہ ہوسکا، 1879ء میں کابل میں انگریز فوج کا قتلِ عام ہوا جو افغانستان کی تسخیر کے لئے آئی تھیں، تو کابل و وسطی ایشیاء تک پہنچنے کی خام خیالی سے تو انگریز باز آ گئے، لیکن اپنی چادر کی حد تک پاؤں پھیلانے سے ان کو کون باز رکھ سکتا تھا، لہٰذا کوئٹہ اور چمن تک لائن بچھانے اور پھر یہاں سے آگے قندھار [۱] تک لائن پہنچانے کے منصوبے کو حتمی شکل دے دی گئی،

---

[۱] قندھار اسٹیٹ ریلوے جس کا مخفف کے ایس آر تھا، اسی طرح انڈس ویلی اسٹیٹ ریلوے یا سندھ پشین ریلوے کے نام سے زیریں سندھ، بلوچستان اور افغانستان کے اندر تک ریلوے لائنیں بچھانے کے جو منصوبے تھے یہ اپنے وقت کے بہت بڑے اور دور رس اثرات کے حامل منصوبے تھے، سکھر کے قریب رُک نامی مقام پر انگریزوں نے بہت بڑا ریلوے جنکشن قائم کیا تھا، جہاں پنجاب، ہند اور کوئٹہ کی لائنیں ملتی تھیں، منصوبے کے مطابق سارے برصغیر سے مسافر رُک پہنچتے پھر یہاں رک کر یا بغیر رکے کوئٹہ، قندھار، پشین کی راہ لیتے، چمن میں بھی انگریزوں نے بہت بڑا گودام بنا کر ریلوے کی تعمیر کا سامان جمع کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چمن سے آگے افغانستان میں کہاں تک لائنیں بچھانے کے عزائم تھے، لیکن قندھار اسٹیٹ ریلوے چمن سے پانچ کلومیٹر آگے تک ہی جاسکی، انگریز قندھار تک بھی نہ پہنچ سکے، جنگوں اور تنازعات کے بعد انگریزوں کا افغانوں سے سرحدی حد بندی معاہدہ ہوا، 1893ء میں سر مارٹیمر ڈیورینڈ نے اس جگہ سرحد کھینچی تھی جو آج بھی ڈیورینڈ لائن کہلاتی ہے اور چمن کی طرف سے پاکستان و افغانستان کی حدیں متعین کرتی ہے۔

اور ہنگامی بنیادوں پر کام شروع کردیا گیا، اس زمانے میں روس کا بھوت بھی فرنگیوں کے اعصاب پر سوار تھا، روس کے چڑھائی کرنے اور کوئٹہ کے راستے برصغیر کے گرم پانیوں کے ساحلوں پر آ دھمکنے کے ڈراؤنے خواب نے فرنگیوں کے سنہرے سپنوں میں زہر گھول دیا تھا، اس زمانے میں روس کی آمد کا یہ ہوّا ذرا عابدیؔ صاحب کی زبانی سنئے:

''انیسویں صدی اپنے دوسرے نصف میں تھی کہ ہندوستان میں روس آیا، روس آیا کا شور اٹھا، خیال تھا کہ روسی فوجیں ڈنکے بجاتی ہوئی کوئٹہ کے راستے ہندوستان میں وارد ہونگیں اور جب تک بحیرہ عرب کے پانی میں غسل نہیں کرلیں گی چین سے نہیں بیٹھیں گی'' [۱] (ریل کہانی ص ۲۸)

ستمبر 1879ء کو وائسرائے کونسل کے فیصلے پر فوری عمل ہوا اور ہنگامی بنیادوں پر کام شروع ہوگیا، ہندوستان بھر کی تمام ریلوے کمپنیاں اپنا مال واسباب اٹھا کر اور انجینئروں و کاریگروں کی فوج ظفر موج فراہم کر کے موقعہ پر آ پہنچیں، 6 / اکتوبر 1879ء کو رکؔ سے سبیؔ کی طرف لائن پر کام شروع ہوا، کام کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ رکؔ سے سبیؔ تک 220 کلومیٹر سے بھی زیادہ لمبی لائن تین مہینے اور گیارہ دن (یعنی 101 دن) میں مکمل ہوئی، رکؔ سے سبیؔ تک یہ کام جس طرح ہوا، اس کا نقشہ عابدیؔ صاحب نے یوں کھینچا ہے:

''سبیؔ کی طرف بڑھنے کے لئے لائن کی تعمیر پر ساڑھے تین ہزار مزدور لگا دیئے گئے، جیسے جیسے وہ کام سیکھتے گئے کام کی رفتار میں تیزی ہوتی گئی، اب یہ حال تھا کہ پٹڑیوں کی ایک جوڑی بچھانے میں صرف دو منٹ لگتے تھے، دیکھتے دیکھتے ایک منٹ میں دو جوڑیاں بچھنے لگیں، اوپر سے موسم کے جی میں کیا آئی کہ وہ اچھا ہوگیا، موسمِ سرما میں دھوپ خوشگوار ہوگئی، صرف ایک بار برفانی ہوا چلی جس میں ایک مزدور جم کر مر گیا، لیکن کام کی گرما گرمی میں کمی نہ آئی، دسمبر 1879ء میں ایک ماہ میں 80 کلومیٹر لائن پڑ گئی، جوں جوں سبیؔ قریب آتا جاتا، مزدوروں کا تجربہ اور کام کی رفتار دونوں بڑھتے جاتے تھے، 1880ء کے پہلے دن (یعنی یکم جنوری کو) صرف 8 گھنٹوں میں چار کلومیٹر لائن پڑ گئی، 13 / جنوری کو یوں لگا جیسے فلم تیز چلادی گئی ہو

---

[۱] روس کی آمد کا یہ ہوّا اور بحیرہ عرب کے کنارے غسلِ آفتابی کر کے گرم پانیوں کے راستے ایشیاء و یورپ پہ چڑھ دوڑنے کا عزم مصمّم دوبارہ اس وقت ایک ڈراؤنا خواب بن کر پورے مغربی یورپ اور امریکا کی نیندیں حرام کرنے لگا تھا جب سرخ ریچھ آمو دریا پار کر کے افغانوں کی وادیوں میں آ کر دندنانے لگا، پھر مغرب نے جس طرح افغانوں کی پشت پناہی کر کے فرزندانِ اسلام کے جذبہ جہاد کے ذریعے روس کے لتّے لئے اس سے پچھلا سارا حساب بھی بے باق ہوگیا، لیکن طوطا چشم مغرب فرزندانِ اسلام کا یہ احسان بہت جلد بھول کر خود پوری قوت اور ڈھٹائی سے انہی راستوں پر گامزن ہوگیا جن پہ چل کر سرخ ریچھ راہی ملک عدم ہوا تھا۔

اس دن 8 گھنٹوں میں بات تقریباً 7 کلومیٹر تک جا پہنچی، اور 14 / جنوری 1880ء کو لائن نے سبّی جا کر دم لیا، یہ سارا کام صرف 101 دن میں پورا ہوا، اب کوئٹہ [۱] 215 کلومیٹر دور تھا، فاصلے کا شمار ممکن تھا، دشواریوں کا کوئی شمار نہ تھا، سبّی سے کوئٹہ تک درہ بولان کے راستے سڑک تو موجود تھی، لیکن جب سروے کیا گیا تو ماہروں نے بتایا کہ درے میں ریلوے لائن بچھانا ممکن نہیں، کیونکہ چڑھائی بہت ہے، البتہ ہرنائی کے راستے چڑھائی کم تھی، موڑ بھی زیادہ نہیں تھے، لیکن وہاں کوئی سڑک نہیں تھی، انجینئروں نے اس کے باوجود ہرنائی کی طرف سے لائن ڈالنے کا فیصلہ کرلیا، ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ اس راہ میں ایک اور دشواری اپنا جال بچھائے بیٹھی ہے اور وہ تھے ہر آتے جاتے کو لوٹنے والے قبائل (ریل کہانی ص ۳۴، ۳۵) (جاری ہے......)

---

[۱] یادش بخیر کوئٹہ کا ذکر آیا تو مرزا ھادی رسوا کا ذکر کیوں نہ آئے، جبکہ کوئٹہ ریلوے لائن کے سروے میں یہ شریک تھے، روڑکی انجینئرنگ کالج کا سند یافتہ اور اردو کلاسیکل ادب میں ''امراؤ جان ادا'' جیسے شاہکار کا مصنف، یہ تصنیف جو صرف ایک ادبی جواہر پارہ ہی نہیں بلکہ لکھنو کی پرانی وضع دار ومرنجاں مرنج تہذیب ومعاشرت کا مرقع بھی ہے اور معاشرے کے ناسوروں کی جراحی اور بعض برائیوں کے اسباب کی نشاندہی بھی اس سے ہوتی ہے، عابدی صاحب کے کسی دوست نے مرزا ھادی پر یہ خوشگوار تبصرہ کیا ہے ''ھادی رسوا نہ ہوتے تو ایک شریف گھرانے کی لڑکی (امراؤ جان ادا) کوٹھے تک اور ہندوستان کے میدانوں کی ریل کوئٹے تک نہ جاتی'' (ص ۱۴) مرزا رسوا 1931ء میں فوت ہوئے، مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب نے ''معاصرین'' میں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ''لکھنو کے شریف زادے تھے، اصل نام مرزا محمد ھادی ہے، ناول لکھنے بیٹھے تو چہرے پر نقاب مرزا رسوا کا ڈال لیا، تخلص کے طور پر مرزا کا لفظ تو بے تکلف استعمال کرتے، لیکن رسوا کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر کبھی بھی استعمال نہ کرتے، مرزا رسوا کی ترکیب تمام تر کرم فرماؤں کی عنایت ہے'' (ص ۹۱) امراؤ جان کا یہ شعر سالہا سال بعد بھی پتہ نہیں کیوں بندہ کے ذہن سے محو نہیں ہوتا ؎

کیا سنائیں حال دلِ ذرا اے ادا — آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۸۸ ''منت اور غیر منت کے بکرے کے صدقہ وذبح کی تحقیق''﴾

ولانه متمكن من التقرب بالتصدق فى سائر الاوقات ولايتمكن من التقرب باراقة الدم الافى هذه الايام ....واما بعد مضى ايام النحرفقد سقط معنى التقرب باراقة الدم،لانها لاتكون قربة الافى مكان مخصوص وهوالحرم وفى زمان مخصوص وهوايام النحر،ولكن يلزمه التصدق بقيمة الاضحية اذاكان ممن تجب عليه الاضحية ،لان تقربه فى ايام النحر كان باعتبار المالية فيبقى بعد مضيها ،والتقرب بالمال فى غيرايام النحر يكون بالتصدق ،ولانه كان يتقرب بسببين اراقة الدّم،والتصدّق باللحم وقد عجز عن احدهماوهوقادر على الاخر فياتى بما يقدر عليه

(المبسوط للسرخسى ملخصاً ج٦الجزء الثانى عشر ص ١٨ باب الاضحية،اول وقت الاضحية)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔ محمد رضوان ۱۷/۳/۱۴۲۷ھ ۔ دارالافتاء ادارہ غفران راولپنڈی

عبرت کدہ

محمد امجد حسین صاحب

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

ہندوستان کا اسلامی عہد (قسط۱۲)

عام مذہبی آزادی اور ملکی انتظام

حجاج کا خط موصول ہونے کے بعد سپہ سالار ابنِ قاسم رحمہ اللہ نے مذکورہ مندر کے معاملے میں ان لوگوں کے حسبِ خواہ اس کی آبادکاری کی ترتیب کی اور ان کے تمام مذہبی معاملات میں ان کو مطمئن کردیا، پھر یہاں کے انتظامی معاملات، عہدیداروں کا تقرر (جو مقامی لوگ ہی مقرر ہوئے) خراج محصول کی وصولی کا نظم، عہدیداروں کی تنخواہ، برہمنوں وغیرہ کے وظائف محتاج وضرورت مندوں کی کفالت کے انتظامات طے کئے، سپہ سالار کی رحمدلی، دریادلی، رواداری وبے تعصبی نے وہاں کے سب طبقوں کو یہ حوصلہ واطمینان بخشا کہ برہمن آباد کے معززین اور سیاسی طبقہ نے یہ درخواست کرڈالی کہ ملکی انتظام بھی ہمارے ہاتھ میں دے دیا جائے، سپہ سالار کی وسیع الظرفی دیکھئے کہ اس کی طبیعت اس مطالبے یا درخواست کے قبول کرنے سے بھی نہ ہچکچائی اور انتظامی عہدے بھی ان کے حوالے کردیئے۔

ان انتظامات کے بعد سپہ سالار لوہانہ کے جاٹ وحشی قبیلوں، سمّہ اور لاکھ کی طرف متوجہ ہوئے، اور وزیر سیاسی گر اور موکا کے مشورے سے سیاسی مصلحتوں کے مطابق ان وحشی قبائل پر وہی قانون بدستور جاری رکھا، جو راجہ داہر کے زمانہ میں اور اس سے بھی پہلے سے ان کے متعلق چلا آرہا تھا، کہ چونکہ یہ درندہ صفت اور لوٹ مار کے عادی لوگ تھے، اور تمدن سے کوسوں دور تھے، اور حکومتوں کی اطاعت سے بدکتے تھے، ذرا بھی ان کو ڈھیل ملتی تو علاقوں اور آبادیوں میں فساد مچانے اور راستوں وگذرگاہوں پر لوٹ مار اور قتل وغارت گری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے، بحری قزاقی بھی ان کا دلپسند مشغلہ تھی، اس لئے پہلے سے ہی ان کے متعلق جو ضابطے اور قانون مقرر تھے، اور اب بھی بحال رکھے گئے ان میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

(۱)......نرم کپڑے استعمال نہ کریں **(۲)**......مخمل کی ٹوپی اور جوتا پہننا منع ہے **(۳)**......موٹے کپڑے کی ایک چادر کندھے پہ ڈالا کریں، کمبل کا کرتہ اور ازار استعمال کریں

(۴)......گھر سے باہر نکلیں تو ایک کتّا ساتھ رکھیں (۵)......راہبری کی ضرورت پیش آنے پر ان کی ذمہ داری ہے کہ رہبر مہیا کریں (۶)......راستوں کی حفاظت بھی ان کے ذمہ ہے، کسی حادثے اور ڈکیتی وغیرہ میں ان کا کوئی ملوث پایا جائے تو زندہ جلا دیا جائے (۷)...... ان کی بیکاری وافلاس دور کرنے کے لئے شاہی وسرکاری مطبخ کے لئے ایندھن فراہم کرنا جنگل سے لکڑیاں اکھٹی کرنا ان کے ذمہ ہے۔

ابنِ قاسم نے سندھ میں ایک قانون یہ بھی جاری کیا کہ آبادی میں جب کوئی مسلمان آجائے تو ایک دن ایک رات اس کو مہمان سمجھا جائے، اور ذمہ دار حکام اس کا انتظام کریں (احادیث میں اس طرح کی مہمانی کی اصل موجود ہے) برہمن آباد میں سیاسی ودیگر انتظامی اصول وضوابط طے کرنے کے علاوہ تنازعات واختلافات کے تصفیہ اور دیوانی وفوجداری مقدمات کے فصل کے لئے یہ انتظام قائم کیا کہ دیوانی وجائیداد وغیرہ کے معاملات کے حل کے لئے تو مقامی معززین اور ذمہ دار وتجربہ کار لوگوں پر مشتمل کمیٹی بنائی جو وہاں کے مذہب اور رسم ورواج کے مطابق یہ معاملات حل کریں، اور امن عامہ کے قیام اور شر وفساد کی روک تھام کے لئے کوتوال یا پولیس کمشنر کے طور پر وداع بن حمید نجدی کو مامور کیا جس نے ہر طرف سپاہی اور نگہبان مقرر کر کے علاقے کو محفوظ ومامون کیا۔اب آگے چونکہ خاص دارالسلطنت الّور (اروڑ) پر پیش قدمی کر کے اسے فتح کرنے کی مہم درپیش تھی، اور ملک کے سیاسی مرکز ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت واضح تھی اس لئے خدشہ تھا کہ اسے بچانے کے لئے ملک کے اطراف وجوانب اور خود مفتوحہ علاقوں میں بھی بدامنی اور غدر کی تحریک برپا نہ ہو اور باہر سے غنیم کمک لے کر نہ چڑھ آئے۔

اس لئے الّور پر چڑھائی کرنے سے پہلے سپہ سالار نے ایک تو سرحدی مقامات کے دفاع اور حفاظت کو مضبوط کیا، کیرج کے متصل سرحدی علاقے پر ہذیل بن سلیمان ازدی کو مقرر کیا، سیوستان کی طرف ایک ہزار پیدل فوج روانہ کی جس میں بڑے بڑے بہادر وسورما تھے، اور دیبل ونیرون کی حفاظت اور وہاں قانون کی عملداری قائم رکھنے کے لئے انتظامی ڈھانچہ تشکیل دے کر روانہ کیا، جو بڑے مدبر ومنتظم لوگوں پر مشتمل تھا، اسی طرح راوَر (روہڑی) کا قلعہ دار نوّبا (اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے) کو مقرر کر کے دریا کے گھاٹوں کو محفوظ کرنے کا حکم دیا کہ مبادا دریا کے راستے سے دشمن مسلح ہو کر نہ آپہنچے اس لئے اسلحہ سے لدے یا مسلح آدمیوں کو سوار کئے گذرنے والی کشتیوں کو پکڑنے کا حکم دیا، نوّبا نے راوَر پہنچ کر اس غرض کے لئے

دریا کی ناکہ بندی پر ابنِ زیاد عبدی کو مامور کیا، اسی طرح سپہ سالار نے دہلیلہ کے انتظام میں بھی حسبِ مصلحت تبدیلی کی اور اپنے سارے عمال اور حکام کو تاکید کردی کہ ہر طرف نظر رکھیں اور پوری ہوشیاری اور بیدار مغزی کو کام میں لائیں، باہم ربط و مشاورت رکھیں اور ہر مہینے ساری کارگذاری کی مفصل رپورٹ مجھے بھیجتے رہیں، ان سارے انتظامات سے فارغ ہوکر محرم ۹۵ھ میں برہمن آباد سے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور منہل نامی علاقے میں ایک مناسب مقام کربھا میں پڑاؤ کیا، یہاں سب اطراف میں بدھ مذہب کے لوگ تھے وہ حاضر ہو ہو کر اطاعت وفرمانبرداری کا دم بھرتے رہے، ابنِ قاسم نے ان کو آزادانہ زندگی گذارنے کا ہر طرح سے اطمینان دلایا اور تاکید کردی کہ سرکاری مالگذاری اور محصول بروقت ادا کرنے کا پورا اہتمام کریں، اور گذرنے والے مسلمانوں کی مہمانی اور ان کی رہبری کرنے کی ذمہ داری سے ان کو آگاہ کیا اور مالگذاری کی وصولی کے لئے بدھ اور برہمنوں دونوں میں سے چار سرداران پر مقرر کئے (جو غالباً ''چوہدری'' کہلاتے تھے) یہاں سے حجاج کو سب کارگزاری اور حالات لکھ کر بھیجے وہاں سے یہ جواب آیا:

> ''یہ عام اصول یاد رکھو کہ جو لوگ نافرمان ہوں وہ تباہ کردیئے جائیں یا کم از کم ان کی لڑکیاں، لڑکے کفیل اور ضامن کے طور پر اپنے قبضہ میں رکھے جائیں، اور فرمانبردار لوگوں سے رحم و کرم کا معاملہ کیا جائے، ان کی جائیدادیں ان کے قبضے میں رہنے دی جائیں، اور دستکاروکاشتکار پر سخت جزیہ مقرر نہ کیا جائے، اگر یہ لوگ مصیبت زدہ وتنگدست ہوجائیں تو مقدور بھر ان کی مدد کی جائے، نومسلموں سے صرف عشر لیا جائے، ہر شخص کو سمجھا دیا جائے کہ ہر قسم کا محصول (زراعت پیشہ، ہنرمند، گلہ بانی کرنے والے وغیرہ مختلف طبقوں کی مال گذاری اسی آمدن وکمائی کے لحاظ سے اس جنس سے) مقررہ وقت پر اپنے اپنے حاکم کے پاس جمع کیا جائے''

پھر یہاں سے کوچ کرکے بہرور میں پڑاؤ ڈالا، اوران اطراف میں بھی امن وانتظام کے سلسلے میں ضروری ہدایات دیں اور ان امور کو خوش اسلوبی سے نبھانے کے متعلق اپنے عمال وحکام سے حلفیہ عہد لیا، عمرو بن مختار کو یہاں کا افسرِ اعلیٰ وصدر منتظم مقرر کیا، یہاں سے چل کر سمہ کے علاقوں (لوہانہ وغیرہ) میں پہنچے، یہاں کے لوگوں نے اپنے رواج کے مطابق ڈھول باجے اور ناچنے گانے کے ساتھ عرب لشکر کا استقبال کیا یہ چیز عربوں کے لئے بڑی حیرانگی کا باعث تھی، یہاں سپہ سالار نے خریم نامی اپنے سردار کو حاکم مقرر کیا اور یہیں سے الور دارالسلطنت کے لئے رہبر بھی ان لوگوں سے حاصل کئے۔ (جاری ہے......)

طب وصحت حکیم محمد فیضان صاحب

طبی معلومات ومشوروں کا مستقل سلسلہ

تربوز(watermelon)

تربوز ایک خوش ذائقہ،خوش رنگ ،اورصحت افزامشہورپھل ہے،اس کا عربی نام بطیخ ہے،انگریزی میں واٹرمیلن ،اورپنجابی وسندھی زبان میں اس کو ہندوانہ کہتے ہیں۔

یہ گرمی کے دنوں میں پاکستان وہندوستان اورافغانستان کے ریتیلے حصوں میں زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

ذائقہ وخوشبواور رنگ سب کو معلوم ہے..........تربوز بہت شوق سے کھایا جاتا ہے،چلچلاتی دھوپ میں اسے کھانے سے پیاس بجھتی ہے۔

مزاج: سردتر بدرجہ دوم ہے۔یہ گرمی ،خشکی ،صفرااور پیاس کوتسکین دیتا ہے،گرمی کو دورکرتا ہے اس لئے گرمیوں کے موسم میں اس کا استعمال بہت مفید ہے۔جسم میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے پیاس کو دورکرتا ہے ۔جس شخص کو بار بار پیاس لگتی ہواور وہ بار بار پانی پی کربھی سیر نہ ہوتا ہواس کے لئے تربوزایک بہترین تریاق ثابت ہوتا ہے،ایک گلاس تربوز کے پانی میں مصری یا شکنجبین ملا کر پلانے سے پیاس کوتسکین ملتی ہے

یرقان کے لئے: یہ جگر کے لئے مفید ہے۔یرقان کے مریض کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔یرقان کے مریض کوآدھا کلوتربوز کے پانی میں 20 ملی لیٹر سکنجبین لیموں شامل کر کے پلانے سے بہت جلد جگر کی گرمی دور ہوکر یرقان کی علامات میں افاقہ ہوتا ہے۔

سر درد: تربوز گرمی کی وجہ سے ہونے والے سر درد کے لئے بھی بے حد مفید ہے۔گرمی کے سر درد کی علامت یہ ہے کہ مریض کے سر پر ہاتھ لگانے سے سرگرم معلوم ہو یا دھوپ میں چلنے پھرنے سے یا آگ کے نزدیک بیٹھنے سے سر درد کی شکایت ہوتو یہ گرمی سے ہونے والا سر درد ہوگا۔گرمی کے سر درد کے لئے تربوز کا گودالیکراس کوململ کے صاف اور باریک کپڑے میں ڈال کر نچوڑ لیں اس میں قدرے مصری ملا کر صبح کے وقت مریض کو پلائیں ۔انشاء اللہ سر درد کو فائدہ ہوگا۔اس کے علاوہ تربوز آنتوں کی خشکی دور کرتا ہےاورکھل کر پیشاب لاتا ہے۔پیشاب قطرہ قطرہ آنے ، پیشاب کی بندش اور جلن کی شکایت میں بھی مفید

Iqra Ghufran

ہے۔کھل کر پیشاب لانے کی وجہ سے بلڈ پریشر کے مریض کو بھی مفید ہوسکتا ہے۔

پتھری: بہترین پیشاب آور ہونے کی وجہ سے یہ پتھری کو توڑ کر نکال دیتا ہے۔تربوز کے بیج 10 گرام آدھا کلو پانی میں گھونٹ کر مصری ملا کر پینے سے پتھری اور ریت کے ذرات ریزہ ریزہ ہو کر پیشاب کی راہ نکل جاتے ہیں۔

معدہ کی اصلاح کے لئے: ایک گلاس تربوز کے پانی میں عرق سونف 100 گرام ملا کر شربت شکنجبین سے میٹھا کر کے تھوڑا تھوڑا پلانے سے بھوک زیادہ لگنے لگتی ہے۔

موٹاپا کم کرنے کے لئے: تربوز چکنائی سے پاک اور غذائی اعتبار سے کم حراروں کا حامل ہونے کی وجہ سے موٹاپا کم کرنے اور وزن گھٹانے کے متمنی حضرات کے لئے بہترین خوراک ہے، کیونکہ اس کے کھانے سے بہت زیادہ توانائی حاصل ہوتی ہے، اور کولسٹرول میں اضافہ نہیں ہوتا۔

کھانسی: خشک کھانسی کے لئے ایک پاؤ تربوز کے پانی میں گوند کیکر، گوند کتیرا، ست ملہٹی، چھوٹی الائچی کا دانہ 10-10 گرام پیس کر ملا دیں اور خوب گھونٹ کر ایک جان کر لیں، 10 سے 20 گرام تک صبح شام استعمال کر سکتے ہیں۔تربوز تروتازگی پیدا کرنے اور پیاس بجھانے والا پھل ہے، اس میں تقریباً 92 فیصد پانی اور 8 فیصد شوگر ہوتی ہے۔گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ کے مطابق سب سے بڑا تربوز 262 پونڈ کا ریکارڈ کیا گیا ہے۔تربوز چکنائی سے پاک ہوتا ہے، سوڈیم کی انتہائی معمولی مقدار پائی جاتی ہے، کولسٹرول نہیں ہوتا۔ وٹامن A کا بہترین ذریعہ ہے۔وٹامن C سے بھرپور ہے۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا اس کے بیج بھی کئی فوائد رکھتے ہیں:۔ان کا استعمال ہائی بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے۔باریک رگوں کی سختی دور ہو کر ان کی لچک قائم رہتی ہے۔بیجوں کو کوٹ کر شکر ملا کر استعمال کرنے سے پیشاب کی سوزش دور ہو جاتی ہے۔جہاں تربوز زیادہ پیدا ہوتا ہے وہاں بیجوں کو کوٹ کر ان کی روٹی بھی پکائی جاتی ہے۔اور دودھ میں ملا کر کھیر بھی بنائی جاتی ہے اور کچے تربوز کو بطور سبزی گوشت میں ملا کر یا بغیر گوشت کے سالن میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

100 گرام تربوز میں پائے جانے والے اجزا کی تفصیل۔

توانائی (حرارے)	28	لحمیات	6.5 گرام	چکنائی	0.2 گرام
نشاستہ دار اجزاء	6.9 گرام	راکھ	0.3 گرام	کیلشیم	7 ملی گرام
فاسفورس	12 ملی گرام	لوہا	0.2 ملی گرام	سوڈیم	5 ملی گرام

حیاتین الف 590 آئی یو **تھائیامین** 0.05 ملی گرام **ربوفلیوین** 0.05 ملی گرام
نائیاسین 0.2 ملی گرام **ایسکوربک ایسڈ** 6 ملی گرام

ہدایات: اطباء کے مطابق تربوز کھانے کے بعد پانی نہیں پینا چاہئے۔اسے کھانے سے پہلے یا خالی پیٹ بھی نہیں کھانا چاہئے۔کھانا ہضم ہونے سے پہلے اس کے استعمال سے ہاضمے میں خرابی یا پیٹ میں ہوا بھر جاتی ہے اور دیر ہضم ہے۔اس لئے کھانا کھانے کے کچھ دیر بعد اس کا استعمال بہتر ہے۔تربوز اور چاول ملا کر نہ کھائیں۔تربوز پر سفید زیرہ، سیاہ مرچ، اور نمک کا سفوف چھڑک کر کھانے سے بدہضمی نہیں ہوتی۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۹۹ ''اخبارِ عالم''﴾

8 اپریل :عراق :3 خودکش بم دھماکے 79 ہلاک 164 زخمی **9 اپریل** : پاکستان: اتحادی افواج کا افغانستان میں 3 طالبان کمانڈ شہید 5 گرفتار کرنیکا مطالبہ **10 اپریل** : پاکستان: بلوچ لبریشن آرمی دہشت گرد قرار دے دی گئی اثاثے منجمد ★ پاکستان، کراچی پرانی سبزی منڈی کے قریب واقع دعوت اسلامی کے مرکز فیضانِ مدینہ میں ربیع الاول کے سلسلے میں منعقدہ اجتماع میں بھگدڑ مچنے سے 31 خواتین اور بچے جاں بحق ہوگئے **11 اپریل**: پاکستان: کراچی منگلا اور ملتان کے کور کمانڈرز تبدیل، 6 میجر جنرلز کو لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا، لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی پانے والوں میں احسن اظہر حیات، ندیم احمد، سجاد اکرم، محمد ذکی، سکندر افضل اور اعجاز احمد بخشی شامل ہیں، نئے لیفٹیننٹ جنرل احسن اظہر حیات کور کمانڈر کراچی تعینات، نئے لیفٹیننٹ جنرل سکندر افضل کور کمانڈر ملتان بنا دئے گئے **12 اپریل**: تعطیل اخبار **13 اپریل** : پاکستان: سانحہ نشتر پارک کے خلاف کراچی اور اندرونِ سندھ مکمل ہڑتال **14 اپریل**: پاکستان: سانحہ نشتر پارک شہر میں پولیس اور رینجر کا گشت 6 گاڑیاں نذر آتش **15 اپریل**: پاکستان: (ن) لیگ اور پیپلز پارٹی منشور جمہوریت پر متفق مجلس نے بھرپور تعاون کا یقین دلا دیا **16 اپریل**: پاکستان: طالبان حملوں میں ضلعی سربراہ 5 امریکی، 13 پولیس اہلکار ہلاک، اتحادی بمباری سے 39 شہری، 2 طالب شہید **17 اپریل** : پاکستان: مسئلہ کشمیر کا فوری حل نکلنا چاہیے ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول پر ایران کی حمایت کرتے ہیں شوکت عزیز سلطان بن عبدالعزیز **18 اپریل**: اسرائیل میں خودکش بم دھماکہ، 9 ہلاک، 60 زخمی، اسلامی جہاد اور الاقصیٰ بریگیڈ نے ذمہ داری قبول کرلی۔

اخبار ادارہ

مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب و روز

□...... جمعہ یکم/ ۸/ ۱۵/ ربیع الاول کو تینوں مساجد (مسجد امیر معاویہ، مسجد بلال اور مسجد نسیم) میں حسبِ معمول خطبائے ثلاثہ کے وعظ و مسائل کی نشستیں منعقد ہوئیں، یکم/ ربیع الاول کو بندہ محمد امجد کی عدم موجودگی کی وجہ سے مولانا طارق محمود صاحب نے مسجد نسیم میں جمعہ کے فرائض سرانجام دیئے۔

□...... جمعہ ۸/ ربیع الاول بعد مغرب تا عشاء پندرہ روزہ فقہی مجلسِ مذاکرہ منعقد ہوئی۔

□...... جمعہ ۱۵/ ربیع الاول بعد عشاء جناب ملک شبیر صاحب (چاہ سلطان) نے ادارہ کے تمام اساتذہ کو کھانے پر مدعو کیا تھا، موصوف کی دو بچیوں نے ادارہ کے شعبہ بنات میں قرآن مجید کی تکمیل کی تھی، اس خوشی میں یہ تقریب منعقد ہوئی تھی، اس موقعہ پر موصوف کے عزیز و اقارب بھی جمع تھے، حضرت مدیر دامت برکاتہم نے قرآن مجید کے فضائل اور حقوق کے حوالے سے بیان بھی فرمایا۔

□......اتوار ۳/ ۱۰/ ۱۷/ ربیع الاول بعد عصر ہفتہ وار مجلسِ ملفوظات حسبِ معمول منعقد ہوتی رہی۔

□......اتوار ۱۷/ ربیع الاول ماہنامہ التبلیغ کے ناظم مولانا عبدالسلام صاحب کا اپنے آبائی گاؤں ڈھینڈہ (ہری پور، ہزارہ) میں مسنون نکاح ہوا، نکاح ان کے والد قاری سید امانت علی شاہ صاحب دامت برکاتہم نے پڑھایا۔

□......منگل ۵/ ربیع الاول مولانا نعمان اللہ صاحب دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ اشاعت الاسلام تھاکوٹ سرحد) ادارہ تشریف لائے، مختلف امور اور علمی مسائل پر حضرت مدیر دامت برکاتہم کے ساتھ طویل مجلس ہوئی، بعد ظہر آپ واپس تشریف لے گئے۔

□......منگل ۱۲/ ربیع الاول مولانا الیاس کوہاٹی صاحب دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ شریعۃ الاسلام اللہ آباد، راولپنڈی) کے ساتھ حضرت مدیر دامت برکاتہم کی بعض قابلِ تنقیح فقہی مسائل پر افادہ و استفادہ کی طویل نشستیں ہوئی، اس سلسلہ میں چند دن حضرت کوہاٹی صاحب مسلسل ادارہ میں تشریف لاتے رہے، ۵/ اور ۱۲/ ربیع الاول کی ان علمی مصروفیات کی وجہ سے معمول کی ہفتہ وار اصلاحی نشستیں برائے اساتذہ کرام منعقد نہ ہوسکیں۔

□...... بدھ ۶/ ۱۳/ ربیع الاول کو طلبۂ کرام کے لئے حضرت مدیر دامت برکاتہم کے ہفتہ وار اصلاحی بیانات ہوئے، ۱۳/ ربیع الاول کا بیان مولانا الیاس کوہاٹی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا اور طلبۂ کرام کے کئی تربیتی امور کا جائزہ لیا اور ان کو ہدایات دیں۔

□......جمعرات ۲۹/ صفر قاری فضل الحکیم صاحب معلم شعبہ حفظ اور مولوی محمد امجد صاحب دو یوم کی رخصت پر اپنے علاقوں میں گئے۔

اخبارِ عالم

ابرار حسین ستی

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

28 مارچ 2006ء 27 صفر 1427ھ عراق: خودکش وراکٹ حملے بم دھماکے 75 ہلاک 80 زخمی امریکی فوج سے تعاون نہیں کریں گے گورنر بغداد کا اعلان **29 مارچ**: پاکستان: خیبر بازار پشاور میں بم دھماکہ پولیس کانسٹبل جاں بحق 18 زخمی، دوگاڑیاں مکمل تباہ **30 مارچ**: پاکستان: باسمتی چاول کی مشترکہ رجسٹریشن کے لئے ورکنگ گروپ کے قیام پر پاک بھارت اتفاق دونوں ممالک میں شیڈول بینکوں کی شاخیں کھولنے اور نئے شپنگ معاہدے پر جلد دستخط اور ویزے میں نرمی سے متعلق بات چیت جاری رکھنے پر اتفاق **31 مارچ**: پاکستان: آئندہ پاکستان میں کوئی ڈاکٹر عبدالقدیر پیدا نہیں ہو سکے گا، امریکہ **یکم اپریل**: پاکستان سٹیل ملز 362 ملین ڈالر میں فروخت، روسی سعودی اور پاکستان کمپنیوں کے کنسورشیم نے 75 فیصد حصص خرید لئے ★ زرداری کی تمام منقولہ جائیداد بھی ضبط، بیرون ملک اکاونٹس منجمد کرنے کا حکم احتساب عدالت نمبر ۴ راولپنڈی کے جج خالد محمود نے اثاثہ جات ریفرنس میں سینئر پراسیکیوٹر نیب کی درخواست پر فیصلہ سنا دیا، ایک روز قبل زرداری کی تمام غیر منقولہ جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا گیا تھا ★ ایران، میں زلزلہ، 75 ہلاک ہزاروں زخمی 40 دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے، کئی افراد تا حال مٹی اور ملبے تلے دبے ہیں، ہلاک وزخمی ہونے والوں کی تعداد بڑھ سکتی ہے، جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب مختلف شہروں میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے، لوگوں نے رات کھلے آسمان تلے گزاری **2 اپریل**: پاکستان: صدر کی زیر صدارت اعلیٰ سطحی اجلاس، بالاکوٹ شہر کو نئی جگہ بسانے کی منظوری، تعمیر نو کا مرحلہ 7 اپریل سے شروع کرنے کا فیصلہ **3 اپریل**: پاکستان: بلوچستان، بم حملے، بارودی سرنگوں کے دھماکے، 5 لیویز اہلکاروں سمیت 10 جاں بحق **4 اپریل**: پاکستان: زرداری کے اثاثے منجمد کرنے کے خلاف حکمِ امتناعی جاری لاہور ہائیکورٹ نے احتساب عدالتوں کو ایسے احکامات سے روک دیا **5 اپریل**: عراق، مجاہدین کے حملے 10 امریکی فوجی ہلاک جھڑپوں میں 40 افراد مارے گئے مزید ہاتھ پاؤں بندھی 18 لاشیں برآمد ★ لاہور تا سیالکوٹ موٹروے کی تعمیر کا اعلان، پرویز الٰہی **6 اپریل**: پاکستان: شمالی وزیرستان میں آپریشن 4 سیکورٹی اہلکاروں سمیت 20 جاں بحق 19 گرفتار **7 اپریل**: پاکستان: بے نظیر تیل برائے خوراک پروگرام سکینڈل میں ملوث ہیں، نیب کا دعویٰ

﴿بقیہ صفحہ ۹۷ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

By Mufti Muhammad Rizwan Translated by Abrar Hussian Satti

Some Commercial Rulings for Jewellery

Question: If silver is sold or bought by silver then what terms are applicable in sharia for this deal to be lawful?

Ans: If silver is sold or bought with silver (i.e. on both sides there is silver) then two terms are necessary for this deal to be lawful in sharia. (1) Silver must be equal on both sides i.e. the quantity of silver must be equal on both the sides.(2)The transaction of silver from both sides must be on the spot and not on credit.

If any deal is done against these two rules then the deal will be considered as interest (ribah) based.

To summarize we can say that if silver is sold or bought with silver, then silver on both sides must be the same in quality as well as in quantity and the transaction should be on the spot otherwise both will indulge in the sin of gaining interest. The mentioned terms must be regarded in the following cases.(i) Silver of one side is new and of the other side is old. (ii)Silver of one side is classic and of the other side is ancillary. (iii)Silver of one side is raw and of the other side is in the form of ornaments. (iv)Type of silver is genuine on one side and adulterated on the other side.